www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

بچوں کی الف لیلہ

سندباد جہازی

اردو روپ

محمد سلیم الرحمٰن

urdukutabkhanapk.blogspot

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

بچوں کی الف لیلہ

سندباد جہازی

اُردو کُتب خانہ پی کے
urdukutabkhanapk.blogspot

اردو روپ

محمد سلیم الرحمٰن

اُردو کُتب خانہ پی کے
urdukutabkhanapk.blogspot

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جملہ حقوق © محمد سلیم الرحمٰن

اشاعتِ اول

القا پبلیکیشنز 2013

یہ کتاب 'ریڈنگز' لاہور اور پاکستان کے دیگر نمایاں کتاب فروشوں کے ہاں دستیاب ہے
جن کی معلومات القا پبلیکیشنز کی ویب سائٹ پر موجود ہیں۔

'القا پبلیکیشنز' اور 'ریڈنگز' الان وتال پرائیویٹ لمٹیڈ کے ذیلی ادارے ہیں۔

اس کتاب کے کسی بھی حصہ کو کسی بھی صورت اور کسی بھی مقصد کے لیے
استعمال کرنے سے پہلے ناشر سے اجازت لینا ضروری ہے۔

انٹرنیشنل سٹینڈرڈ بک نمبر (ISBN)
978-9-69-947348-7

سرورق: آمنہ محمود

اندرونی تصاویر: حرا مرسلین

خطاطی: نوری نستعلیق (14)

طباعت
مکتبہ جدید پریس، ایمپرس روڈ، لاہور

القا پبلیکیشنز

12-K، مین بلیوارڈ، گلبرگ 2، لاہور 54660
پاکستان

فون: 92 42 3575 7877
فیکس: 92 42 3575 5576
publications@readings.com.pk
www.publications.readings.com.pk

اُردو کُتب خانہ پی کے
urdukutabkhanapk.blogspot

قصہ شروع ہوتا ہے

خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں شہر بغداد میں سندباد نامی ایک غریب آدمی رہا کرتا تھا۔ وہ سامان ڈھو کر اپنی روزی کماتا تھا۔ دن بھر اُس کا بس یہی کام تھا کہ یہاں سے بوجھ اٹھایا وہاں پہنچا دیا۔ وہاں سے کچھ اور سر پر لادا، یہاں پہنچا گیا۔ اسی لیے وہ سندباد حمال کے نام سے مشہور تھا۔ عربی میں حمال بوجھ اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ بہت بھاری بوجھ اٹھائے لشتم پشتم چلا جا رہا تھا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ چلتے چلتے اُس کا گزر ایک سوداگر کی حویلی کے آگے سے ہوا جو سڑک کنارے ایک خوش گوار، سایہ دار جگہ پر بنی ہوئی تھی۔ حویلی کے سامنے جھاڑو دی گئی تھی اور چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔ سندباد حمال نے دیکھا کہ حویلی کے پھاٹک کے ساتھ ایک بڑی سی بینچ بچھی ہوئی ہے۔ وہ وہیں رک گیا، بوجھ سر سے اتار کر نیچے رکھ دیا، پسینہ پونچھا اور بینچ پر بیٹھ کر سستانے لگا۔ پھاٹک سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں۔ حویلی میں کہیں گیت گائے جا رہے تھے، کہیں باجا بج رہا تھا اور کبوتروں، بلبلوں، فاختاؤں اور چکوروں کی میٹھی میٹھی بولیاں سنائی دے رہی تھیں۔ سارے پرندے چہچہا کر اپنی اپنی زبان میں خدا کے گُن گا رہے تھے۔ باجوں کے سُروں، گانے والوں کی تانوں اور چڑیوں کے چہچہوں نے آپس میں گھل مل کر عجب سماں باندھا تھا۔

یہ سب سن کر سندباد کا دل باغ باغ ہو گیا۔ وہ اٹھ کر پھاٹک میں جا کھڑا ہوا

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور اندر جھانکنے لگا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اندر بڑے ٹھاٹ کی بارہ دری بنی ہوئی ہے جس کے بیچ میں پھولوں بھرا چمن ہے۔ اردگرد بہت سے نوکر چاکر کھڑے ہیں۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نامی گرامی بادشاہ کا دربار ہے۔ ہر طرف سے عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں کی خوشبو آ رہی ہے۔

سندباد حمال کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور اُس نے دل ہی دل میں کہا: ''واہ اللہ میاں، تمھارے سب کام نرالے ہیں۔ تم جسے چاہتے ہو امیر بنا دیتے ہو اور جسے چاہتے ہو غریب کر دیتے ہو۔ ایک یہ آدمی ہے جو اِس حویلی میں بیٹھا مزے سے پلاؤ زردہ اُڑاتا ہے۔ ایک میں ہوں کہ دن بھر محنت مزدوری کرتا ہوں تب کہیں کھانے کو روکھی سوکھی نصیب ہوتی ہے۔''

یہ کہہ کر اُس نے اپنا بوجھ اٹھایا اور وہاں سے چلا ہی تھا کہ ایک خوب صورت ملازم لڑکا، جس نے قیمتی لباس پہن رکھا تھا، حویلی سے نکل کر اُس کی طرف آیا۔ اُس نے آتے ہی سندباد حمال کا ہاتھ تھام لیا اور بولا: ''اندر آ جاؤ۔ میرے آقا تمھیں یاد فرما رہے ہیں۔''

سندباد حمال نے تمیزداری سے کام لے کر اُسے ٹالنا چاہا لیکن لڑکے نے ایک نہ سنی۔ آخر سندباد حمال اُس کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا۔ اُس نے بوجھ اتار کر دربان کے پاس رکھ دیا اور لڑکے کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

چلتے چلتے وہ ایک بہت شان دار اور وسیع ہال میں پہنچ گئے جہاں دسترخوان بچھا ہوا تھا اور بڑے بڑے امیر اور سردار بیٹھے دعوت اُڑا رہے تھے۔ جگہ جگہ گل دستے سجے تھے اور خوشبوئیں سلگ رہی تھیں۔ ایک طرف مہمانوں کا دل بہلانے کے لیے خوب صورت کنیزیں بیٹھی گانے بجانے میں مشغول تھیں۔ ہال کے بیچ میں حویلی کا مالک بیٹھا تھا جس کی شکل اور وضع قطع کچھ تو ویسے ہی بارعب تھی اور کچھ داڑھی میں سفیدی کی جھلک آجانے سے پُروقار ہو گئی تھی۔ محفل کی شان و شوکت دیکھ کر حمال کے ہوش اُڑ گئے اور اُس نے سوچا: ''خدا کی قسم، یہ حویلی نہیں ہے، جنت کا کوئی گوشہ یا کسی بہت بڑے

بادشاہ کا محل ہے۔''

یہ سوچ کر اُس نے نہایت ادب سے اہلِ محفل کو سلام کیا، اُن کے حق میں دعائیں کیں اور پھر سر جھکا کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ حویلی کے مالک نے بڑی گرم جوشی سے اُسے خوش آمدید کہا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ اِس کے بعد اُس نے نوکروں کو حکم دیا کہ نئے مہمان کے سامنے عمدہ عمدہ کھانے چُنیں اور سندباد سے کہا کہ، ''تکلف نہ کرو''۔

چنانچہ سندباد حمال نے بسم اللہ کر کے کھانا شروع کیا اور ڈٹ کر کھایا۔ جب اُس کا پیٹ بھر گیا تو اُس نے ہاتھ منہ دھوئے اور حویلی کے مالک کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: ''صاحب، آپ نے میزبانی کا حق ادا کر دیا۔''

حویلی کے مالک نے کہا: ''میرے دوست، تم جب بھی میرے گھر میں قدم رکھو گے تمہاری اسی طرح خاطر کی جائے گی۔ خدا تمھارا بھلا کرے، ذرا ہمیں یہ تو بتاؤ کہ تمھارا نام کیا ہے اور تم کیا کام کرتے ہو؟''

سندباد حمال نے جواب دیا: ''میرا نام سندباد ہے اور میں بوجھ ڈھونے کا کام کرتا ہوں۔''

یہ جواب سن کر حویلی کا مالک مسکرایا اور بولا: ''واہ بھئی واہ! یہ عجیب اتفاق ہے۔ میرا نام بھی سندباد ہے۔ مجھے عام طور پر سندباد جہازی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور لوگ میری سرگزشت سن کر بہت حیران ہوتے ہیں۔ میرے بھائی، ابھی میں تمھیں اپنی بیتی سناؤں گا۔ اِسے سن کر تمھیں پتا چلے گا کہ میں نے اپنے آپ کو کیسے کیسے خطروں میں ڈالا ہے۔ یہ حویلی اور یہ آسائش بیٹھے بٹھائے میرے ہاتھ نہیں آئی۔ میں نے سینکڑوں جتن کیے، جوکھوں میں پڑا، دنیا جہان میں مارا مارا پھرا، تب کہیں اتنی شہرت کمائی۔ میں نے سات سفر کیے ہیں اور ہر سفر کی کہانی اتنی عجیب و غریب ہے کہ سننے والے کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ میرے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ میرے مقدر میں لکھا تھا اور یہ تمھیں پتا ہی ہے کہ قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔''

اِس کے بعد سندباد جہازی نے اپنے پہلے سفر کا ماجرا سنانا شروع کیا۔

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اُردو کُتب خانہ پی کے
urdukutabkhanapk.blogspot

پہلا سفر

دوستو، تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرے والد بغداد کے سب سے بڑے تاجر اور امیرترین آدمیوں میں سے تھے۔ میں ابھی کم سن ہی تھا کہ اُن کا انتقال ہو گیا اور اُن کی ساری دولت ورثے میں مجھے مل گئی۔ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد اپنی جائیداد کو تحویل میں لیتے ہی اللّے تللّے شروع کر دیے۔ میں زرق برق کپڑے خرید کر پہنتا، کھانے پینے پر بے تحاشا خرچ کرتا۔ غرض کہ اپنے ہم عمر اور بالکل بے پروا اور فضول خرچ نوجوانوں کی صحبت میں گل چھرّے اُڑانے کے سوا مجھے کوئی کام نہ تھا۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ ساری عمر اسی طرح کھیل کود میں گزر جائے گی۔

مگر کچھ عرصے بعد جب میری غفلت کم ہوئی تو پتا چلا کہ سب جمع جتھا ختم ہونے کو ہے اور اگر اب فضول خرچی سے باز نہ آیا تو کل کو بھیک مانگتا نظر آؤں گا۔ ڈر کے مارے میرا دل بیٹھ گیا اور مجھے حضرت سلیمان بن داؤد کی وہ کہاوت یاد آ گئی جسے والد صاحب اکثر دہرایا کرتے تھے: ''موت کا دن بہتر ہے پیدائش کے دن سے، زندہ کتا بہتر ہے مردہ شیر سے اور قبر بہتر ہے مفلسی سے۔'' میں نے اپنی بچی کھچی جائیداد اور گھر کا سارا سامان تین ہزار درہم میں بیچ دیا، دل سے ڈر اور پریشانی کو رخصت کیا اور ٹھان لی کہ سوداگر بن کر ملک ملک گھوموں پھروں گا۔

میں نے لمبے سفر کی تیاری کر کے کئی طرح کا خاصا بہت سا مال تجارت کرنے کے لیے خرید لیا۔ اپنا سامان لے کر میں ایک بڑی کشتی میں بیٹھ گیا، جو اور بھی کئی

تاجروں کو لے کر بصرے کی بندرگاہ جا رہی تھی۔ بندرگاہ میں ایک جہاز کھڑا تھا۔ میں اُس پر سوار ہو گیا۔ بصرے سے روانہ ہونے کے بعد ہم بہت عرصے تک دن رات سفر کرتے رہے۔ کبھی ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے پر جاتے، کبھی ایک ساحل سے دوسرے ساحل کا رخ کرتے اور جہاں جہاں جہاز لنگرانداز ہوتا اپنا سامان بیچتے، وہاں کی سوغات خریدتے یا مال سے مال بدل لیتے۔ اسی طرح چلتے چلاتے ہمارا گزر ایک ایسے جزیرے سے ہوا جو بالکل جنت کا نمونہ تھا۔ اُس کے کنارے پہنچ کر ہمارے کپتان نے لنگر ڈال دیا اور مسافروں کے اترنے کا بندوبست کیا۔

مسافر اتر کر مختلف کاموں میں مصروف ہو گئے۔ کسی نے چولھا بنا کر آگ جلائی، کوئی کپڑے دھونے لگا۔ بعضے بیٹھ کر کھانے پینے اور گپیں لڑانے لگے اور چند ایک، جن میں، میں بھی شامل تھا، جزیرے کی سیر کرنے نکل گئے۔ ہم سب اِس طرح اپنے اپنے کاموں یا تفریح میں مگن تھے کہ یکایک جہاز پر سے کپتان حلق پھاڑ کر چیخا: ''فوراً جہاز پر آ جاؤ۔ جلدی کرو۔ اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ آؤ۔ خدا تم پر رحم کرے کیونکہ یہ جزیرہ نہیں ہے بلکہ ایک بہت بڑی مچھلی کی پیٹھ ہے۔ یہ مچھلی باوا آدم کے زمانے سے یہاں سمندر میں سو رہی تھی۔ اسی لیے اِس کی پیٹھ پر مٹی جم گئی ہے اور درخت اُگ آئے ہیں۔ اب جو تم نے وہاں آگ جلائی تو اُسے گرمی محسوس ہوئی اور وہ ہلنے جلنے لگی۔ ارے کم بختو، وہاں کھڑے میرا منہ کیوں تک رہے ہو! جلدی کرو۔ بھاگو! ورنہ یہ مچھلی ایک دم سمندر میں غوطہ لگا جائے گی اور تم سب ڈوب مرو گے۔''

کپتان کی چیخ پکار سن کر مسافروں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ اپنے کپڑے، جوتے، ٹوپیاں، برتن چھوڑ کر جہاز کی طرف گرتے پڑتے دوڑے۔ اِس افراتفری کے عالم میں وہ سب لوگ تو خیریت سے جہاز پر جا چڑھے جو ساحل سے قریب تھے۔ جو لوگ ذرا فاصلے پر تھے، اور میں بھی اُنھیں میں شامل تھا، وہ دوڑے ہوئے آ ہی رہے تھے کہ جزیرہ بڑے زور سے ہلا اور غڑپ سے سمندر میں ڈوب گیا۔ اِس کے ڈوبنے سے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

سمندر میں تلاطم برپا ہو گیا۔ بڑی بڑی موجیں اٹھنے لگیں اور بھنور بن گئے۔

اُن بدنصیب لوگوں میں جو موجوں میں غوطے کھا کر ڈوب رہے تھے میں بھی شامل تھا۔ میرے ڈوب مرنے میں کسر ہی کیا رہ گئی تھی مگر جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔ اتفاق سے میرے ہاتھ لکڑی کا وہ پٹرا آ گیا جس پر بیٹھ کر جہاز کے لوگ نہاتے اور کپڑے دھوتے تھے۔ مثل مشہور ہے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ بس میں بھی غنیمت جان کر اُس پٹرے سے چمٹ گیا اور جان بچانے کی خاطر لگا ہاتھ پاؤں مارنے۔ موجوں کا وہ زور تھا کہ میں جہاز سے دور بہا جا رہا تھا۔ ہر چند کوشش کی مگر جہاز تک نہ پہنچ سکا۔ اتنی دیر میں کپتان نے بادبان کھولے اور بچے کھچے مسافروں کو لے کر چلتا بنا۔ جہاز جاتا دیکھ کر میری جان ہی نکل گئی لیکن کیا کر سکتا تھا۔ بس ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گیا۔ جہاز کے غائب ہوتے ہی میں نے دل میں کہا کہ اب میرا بچنا مشکل ہے۔

میں پٹرے پر سوار بہا جا رہا تھا۔ آخر رات ہو گئی۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ لہروں کا شور، ہوا کی سائیں سائیں۔ اتنا بڑا سمندر اور میں اُس میں اندھیری رات میں اکیلا۔ خدا کے سوا وہاں اور کون میرے ساتھ ہوتا! یوں ہی وہ رات گزر گئی۔ اگلا دن بھی ختم ہوا۔ میں اسی طرح ہوا اور پانی کے زور سے بہا جاتا تھا۔ آخر بہتے بہتے وہ پٹرا ایک پہاڑی جزیرے کے کنارے پہنچ گیا جہاں جنگل ہی جنگل تھا اور درختوں کے ٹہنے پانی کے اوپر پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے اچھل کر ایک موٹا سا ٹہنا پکڑ لیا اور اُس پر چڑھ کر گھسٹتا گھسٹتا خشکی پر جا پہنچا۔ گویا دوبارہ زندگی پائی۔ کنارے پر اتر کر مجھے احساس ہوا کہ میری ٹانگوں میں دم نہیں رہا ہے اور مچھلیوں کے کاٹنے سے اِن میں جگہ جگہ درد ہو رہا ہے۔

تکلیف اور تھکن کے مارے مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔ میں ساری رات مردے کی طرح پڑا رہا۔ صبح ہوئی تو مجھے ہوش آیا۔ میری ٹانگیں سُوج کر کپا ہو گئی تھیں۔ میں مشکل سے گھٹنوں کے بل رینگ سکتا تھا۔ اتفاق سے اُس جزیرے پر پھلوں کے بے شمار

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

درخت اور ٹھنڈے میٹھے پانی کی کئی ندیاں تھیں۔ چنانچہ کھانے پینے کا مجھے بہت آرام تھا۔ چند دن بعد میرے تن بدن میں پھر سے جان آ گئی اور دل زندہ ہو گیا۔ میں نے ایک درخت کی ٹہنی توڑ کر لاٹھی بنالی اور اُس کے سہارے جزیرے کی سیر کو نکل پڑا کہ دیکھوں تو سہی یہ کون سا علاقہ ہے اور خدا نے یہاں کیسے کیسے درخت اگائے ہیں اور اپنی قدرت کے کیا کیا تماشے دکھائے ہیں۔

ایک دن جب میں جزیرے کے ایسے حصے میں گھوم رہا تھا جہاں پہلے کبھی نہ آیا تھا تو مجھے دور ایک عجیب سی چیز نظر آئی جو بظاہر کوئی جنگلی جانور یا سمندری بلا معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اُس کے پاس جا کر ذرا غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ ایک بہت عمدہ نسل کی اونچی، خوبصورت گھوڑی درخت سے بندھی کھڑی ہے۔ گھوڑی مجھے دیکھتے ہی اِس زور سے ہنہنائی کہ میرے کان بہرے ہو گئے اور میں پیچھے کو بھاگا۔ فوراً ہی ایک آدمی، اِس طرح اچھل کر سامنے آیا جیسے زمین سے نکلا ہو اور چیختا چلّاتا ہوا میرے پیچھے لگ گیا: ''ارے میاں، ٹھیرو تو سہی، تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟''

میں رک گیا اور جواب دیا: ''اے میرے آقا، میں ایک بدنصیب پردیسی ہوں۔ مجھے میرے ساتھی بیچ سمندر میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ میں سمجھا تھا کہ ڈوب کر مر جاؤں گا لیکن خدا کی مرضی یہ نہ تھی۔ اُس نے میرے بچ رہنے کا سامان کر دیا اور آخرکار سمندری لہروں نے مجھے اِس جزیرے پر لا پھینکا۔''

اجنبی نے میرا ہاتھ تھام لیا اور ساتھ چلنے کو کہا۔ وہ مجھے ایک تہہ خانے میں لے گیا۔ وہاں اُس نے دسترخوان بچھایا اور کئی طرح کے کھانے میرے سامنے لا رکھے اور کہا کہ جی بھر کے کھاؤ۔ جب میں خوب سیر ہو گیا تو اُس نے مجھ سے اوّل تا آخر میری کہانی سنی۔ میرا ماجرا سن کر وہ بہت حیران ہوا۔ اتنے میں، میں نے پوچھا: ''اے میرے صاحب، یہ تو فرمایئے کہ آپ یہاں کس غرض سے ٹھیرے ہوئے ہیں اور یہ گھوڑی ساحل پر کیوں باندھی ہے؟''

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اُس شخص نے جواب دیا: ''تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اِس جزیرے پر مہرجان بادشاہ کی حکومت ہے۔ میں اور میرے ساتھی شاہی سائیس ہیں۔ بادشاہ کے اصطبل کی دیکھ بھال ہمارے ذمے ہے۔ ہر مہینے، چاند کی چودھویں تاریخ کو ہم اصیل گھوڑیاں ساحل پر باندھ کر اِدھر اُدھر تہہ خانوں میں چُھپ جاتے ہیں۔ اِن گھوڑیوں کی بو سونگھ کر سمندری گھوڑے موجوں سے نکل کر ساحل پر آتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ آس پاس کوئی آدمی نہیں تو گھوڑیوں سے جفت ہوتے ہیں۔ پھر وہ گھوڑیوں کو کھینچ کر اپنے ساتھ سمندر میں لے جانا چاہتے ہیں۔ اِس میں وہ ناکام رہتے ہیں کیونکہ گھوڑیاں مضبوطی سے بندھی ہوتی ہیں۔ کام بنتا نہ دیکھ کر اِنہیں غصہ آجاتا ہے اور وہ ہنہنا کر گھوڑیوں کو دولتیاں اور ٹکریں مارنے لگتے ہیں۔ شور سن کر ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ سمندری گھوڑے شرارت پر اتر آئے ہیں۔ چنانچہ ہم بھی شور وغل مچاتے ہوئے تہہ خانوں سے نکل کر ساحل کی طرف دوڑتے ہیں۔ ہمیں آتا دیکھ کر سمندری گھوڑے فوراً سمندر میں کود کر غائب ہو جاتے ہیں اور ہم گیابھن گھوڑیوں کو کھول کر اپنے شہر کا رستہ لیتے ہیں۔ اِن گھوڑیوں سے جو بچھیرے اور بچھیریاں پیدا ہوتی ہیں اُن کا جواب نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پرستان کے گھوڑے گھوڑیاں ہیں۔ خیر، یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ تم بیٹھ کر سستا لو۔ اب سمندری گھوڑوں کے برآمد ہونے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ اِس کام سے فراغت ہو جائے تو پھر ہم تمھیں اپنے بادشاہ مہرجان کے پاس لے چلیں گے اور اپنا ملک دکھائیں گے۔ میاں، تمہاری قسمت اچھی ہے جو ہم سے ملاقات ہوگئی ورنہ ساری عمر اسی ویرانے میں کٹ جاتی۔''

میں نے اُس کی یہ بات سن کر اُسے دعائیں دیں اور شکریہ ادا کیا۔ ہماری بات چیت ختم ہوئی ہی تھی کہ باہر ہنہنانے اور ٹاپیں مارنے کی آوازیں آنے لگیں۔ سائیس فوراً اچھل کھڑا ہوا اور تلوار اور ڈھال اٹھا کر باہر لپکا۔ میں بھی پیچھے پیچھے ہولیا۔ باہر پہنچ کر دیکھا تو آس پاس سے بہت سے اور آدمی بھی گھات سے نکل آئے ہیں اور میرے ساتھی کی طرح تلواروں سے ڈھالیں بجا بجا کر شور مچا رہے ہیں۔ لوگوں کو آتا

دیکھ کر اور اِس ابڑ دھبڑ کو سن کر سمندری گھوڑا بڑا گھبرایا اور جلدی سے سمندر میں اتر گیا۔ ہم اطمینان سے گھوڑی کے پاس بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں دوسرے سائیس بھی اپنی اپنی گھوڑیاں لیے آ پہنچے۔ مجھے دیکھ کر اُنھیں تعجب ہوا اور وہ پوچھنے لگے کہ یہ نئی وضع کا آدمی کہاں سے آیا۔ میں نے اُنھیں بھی اپنا قصہ سنا دیا۔

اُن کا کام پورا ہو چکا تھا اور اُنھوں نے چلنے کی ٹھان لی۔ میں بھی اُن کے ساتھ ہو لیا۔ چلتے چلتے ہم سب بادشاہ مہرجان کے شہر جا پہنچے۔ بادشاہ کو جوں ہی میرے بارے میں پتا چلا اُس نے مجھے اپنے دربار میں حاضر ہونے کو کہا۔ میں نے دربار میں پہنچ کر اُسے سلام کیا۔ اُس نے سلام کا جواب دیا، بڑی مہربانی سے پیش آیا اور کہنے لگا: ''میں بھی تمھاری کہانی سننا چاہتا ہوں۔'' میں نے اُسے اپنے سفر کا سارا حال سنا دیا۔ وہ بہت حیران ہوا اور بولا: ''بیٹا، تمھاری قسمت اچھی ہے ورنہ تمھیں ڈوب مرنے سے کون بچاتا۔ ہم نے تو کبھی ایسا واقعہ نہیں سنا۔ تمھیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔''

اِس کے بعد بادشاہ نے میری بہت خاطر تواضع کی اور ڈھارس بندھائی۔ اُس نے مجھے اپنے ملک کی بندرگاہ کا بڑا افسر بنا دیا۔ بندرگاہ میں آنے جانے والے جہازوں کی جانچ پڑتال میرے ذمے تھی اور چُنگی میں ہی وصول کرتا تھا۔ میں نے بڑی ایمان داری اور محنت سے کام کیا اور آرام سے رہنے لگا۔ بہتر سے بہتر کھاتا پیتا اور پہنتا۔ میں غریب اور مظلوم لوگوں کی مدد اور بادشاہ سے اُن کی سفارش کرنے سے کبھی نہ ہچکچاتا۔

اُس بندرگاہ میں میری جتنے سیاحوں سے ملاقات ہوئی اور عجیب وغریب باتیں سننے اور دیکھنے کا اتفاق ہوا اگر اُن سب کو بیان کرنے لگوں تو میرا قصہ کبھی ختم ہی نہ ہو۔ ایک روز جو میں بادشاہ مہرجان کے پاس گیا تو دیکھا کہ دربار میں بہت سے ہندو بیٹھے ہیں۔ سر منڈے ہوئے، بیچ میں صرف چٹیا کے بال، ماتھے پر چندن لگا، بازوؤں پر چھوٹے چھوٹے بت بندھے، گلے میں کالا دھاگا، زرد ریشم کی دھوتی اور پاؤں میں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کھڑاؤں۔ غرض کہ عجیب وضع کے لوگ نظر آئے۔ میں بھی بیٹھ کر اُن کی باتیں سننے لگا۔ مجھے یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی کہ ہندوؤں کے بہتّر فرقے ہیں اور ذات پات کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔

اُس علاقے کی ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ مہرجان بادشاہ کے ملک کے پاس ایک جزیرہ ہے جہاں سے رات کے وقت ڈھول اور دف بجنے کی آوازیں آیا کرتی ہیں۔ کسی کو معلوم نہیں کہ اِس ڈھول ڈھمکّے کا کیا راز ہے۔ البتہ سیاحوں کی زبانی مجھے اتنا پتا چلا کہ اُس جزیرے پر ایک نہایت محنتی اور سمجھ دار قوم آباد ہے۔ اسی علاقے کے سمندر میں ایک مرتبہ میں نے ایک مچھلی دیکھی جو سو گز لمبی تھی۔ وہاں ایک ایسی مچھلی بھی پائی جاتی ہے جس کا منہ بالکل اُلو جیسا ہوتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگوں کو کیا کیا بتاؤں۔ ایک سے ایک انوکھی چیز وہاں میں نے دیکھی۔ اگر بیان کرنے کی ٹھان لوں تو سناتے سناتے کئی برس گزر جائیں۔ اُس بندرگاہ میں میرا قیام اُس خواب کی مانند تھا جس میں عجیب عجیب منظر دکھائی دیتے ہیں۔

اِس کا یہ مطلب نہیں کہ میں بغداد کو بھول گیا۔ مجھے ہر وقت اپنے وطن، گھر بار، رشتے داروں اور دوستوں کی یاد ستایا کرتی۔ بار بار یہی خیال دل میں آتا کہ اب شاید واپس جانا نصیب نہ ہوگا۔ بندرگاہ میں آنے والے ہر سوداگر، سیاح اور ملاح سے میں یہی پوچھتا کہ، ''کیوں بھئی، کچھ پتا ہے بغداد یہاں سے کتنی دور ہے؟'' مجھے ہمیشہ یہی جواب ملتا: ''بغداد؟ یہ نام میں نے آج ہی سنا ہے۔'' جوں جوں دن گزرتے گئے میرا جی اچاٹ ہوتا گیا۔

ایک دن کا ذکر ہے، میں اپنا عصا لیے سمندر کے کنارے کھڑا تھا کہ ایک بڑا سا جہاز، جس پر بہت سے سوداگر سوار تھے، آکر بندرگاہ میں لنگرانداز ہوا۔ جہاز کے عملے نے سامان اتارنا شروع کیا اور میں قاعدے کے مطابق سامان کی فہرست بنانے لگا۔ جب عملہ سامان اتار چکا تو میں نے جہاز کے کپتان سے پوچھا: ''اب تمھارے جہاز میں کوئی چیز رہ تو نہیں گئی؟''

کپتان نے جواب دیا: ''جناب، تھوڑا سا سامان جہاز پر اور ہے۔ اُس سامان کا مالک سفر کے دوران میں سمندر میں ڈوب گیا تھا۔ یہ گویا امانت ہے جو ہمارے پاس ہے۔ اِسے بیچ کر جو روپیہ پیسہ ملے گا ہم مرحوم کے گھر والوں کو پہنچا دیں گے۔ بے چارہ بغداد کا رہنے والا تھا۔''

میں نے پوچھا: ''اُس سوداگر کا نام کیا تھا؟''

کپتان بولا: ''سندباد۔''

میں نے اپنا نام سن کر اُسے غور سے دیکھا تو پہچان لیا۔ یہ وہی آدمی تھا جس کے جہاز پر میں سوار تھا۔ خوشی کا نعرہ لگا کر میں نے کہا: ''ارے یار، حد ہوگئی۔ بھئی تم نے پہچانا نہیں؟ میں سندباد ہی ہوں جسے تم سمندر میں غوطے کھاتا چھوڑ آئے تھے۔ جب اُس مچھلی نے، جو جزیرہ بنی ہوئی تھی، غوطہ لگایا تھا تو اور لوگ ڈوب گئے تھے مگر میں خدا کی مہربانی سے لکڑی کے ایک تختے پر سوار بہتا بہتا اِس ملک تک پہنچ گیا۔ یہاں کے بادشاہ کی عنایت سے میں بندرگاہ کا بڑا افسر بن گیا ہوں۔ اب تمھیں یقین آیا کہ میں سندباد ہوں؟ جہاز پر جو سامان باقی رہ گیا ہے وہ میرا ہے۔ تم میرے حوالے کرو۔''

کپتان نے یہ سن کر سر پیٹ لیا اور بولا: ''غضب خدا کا! معلوم ہوتا ہے کہ اب دنیا سے ایمان داری اور سچائی اٹھ گئی۔ ایک آدمی کے مرنے کا ذکر آگیا تو تُو اُس کا مال ہتھیانے کے لیے اِس طرح کے بہانے بنانے لگا۔ جا! جا! یہ جھانسا کسی اور کو دے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے سندباد کو ڈوب کر مرتے دیکھا ہے۔ کہیں مردے بھی زندہ ہوئے ہیں۔ ہم سندباد کا مال ہرگز تجھے نہ دیں گے۔''

میں نے کہا: ''کپتان صاحب، خفا نہ ہو۔ ذرا دیر میری بات تو سنو۔ میں ثابت کیے دیتا ہوں کہ میں سندباد ہوں۔'' اِس کے بعد میں نے سفر کے سارے حالات کپتان اور دوسرے مسافروں کے سامنے بیان کیے کہ کس طرح ہم بصرے سے روانہ ہوئے، کہاں کہاں گئے، کب اُس جزیرے پر پہنچے جہاں ہمارے کئی ساتھی ڈوب

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

مرے تھے اور میں جہاز سے بچھڑ گیا تھا۔ اِس کے علاوہ ایک دو باتیں ایسی تھیں جن کا میرے اور کپتان کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔ وہ باتیں بھی میں نے ظاہر کر دیں۔

سفر کا حال اور راز کی باتیں سن کر اُن سب کو میرے سندباد ہونے کا یقین آ گیا اور اُنھوں نے مجھے پہچان لیا۔ وہ بولے: ''خدا کی قسم، ہمیں پورا یقین تھا کہ تم ڈوب گئے ہو، حیرت ہے کہ تم بچ نکلے۔ خدا نے تمھیں نئی زندگی عطا کی ہے۔''

میرا سامان جہاز پر سے اتارا گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ ساری پیٹیاں اسی طرح بندھی ہوئی تھیں جیسے میں نے اُنھیں چھوڑا تھا۔ ہر پیٹی پر میرا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے سامان کھول کر بہت سی عمدہ اور قیمتی چیزیں نکالیں اور اُنھیں اٹھوا کر بادشاہ مہرجان کے پاس لے گیا۔ میں نے کہا: ''میری طرف سے یہ حقیر تحفے قبول کیجیے۔ میں آپ کو ایک خوش خبری سنانے آیا ہوں۔ میرا کھویا ہوا مال اسباب آج مجھے مل گیا۔'' پھر میں نے اُسے سارا قصہ سنایا جسے سن کر بادشاہ بہت حیران ہوا اور کہنے لگا: ''تمھارا موت کے منہ سے نکل کر ہمارے ملک پہنچ جانا ہی بڑا عجوبہ تھا لیکن یہ نیا واقعہ تو اور بھی عجیب ہے۔'' یہ کہہ کر اُس نے مجھے بہت سے انتہائی قیمتی تحفے دیے۔

میں نے اپنا سارا مال اچھے داموں بیچ دیا اور اِس کے بدلے اُس ملک کا نادر اور قیمتی سامان خرید لیا۔ جب سارا مال اسباب جہاز پر لد گیا اور کپتان نے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو میں بادشاہ کے حضور میں پہنچا اور اُس کی مہربانی اور محبت کا بہت بہت شکریہ ادا کر کے وطن جانے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے مجھے اور کئی تحفے دیے اور خدا حافظ کہا۔

بادشاہ سے رخصت ہو کر میں بندرگاہ آیا اور جہاز پر سوار ہو گیا۔ خدا کا نام لے کر ہم چل پڑے۔ اِس مرتبہ قسمت نے ہمارا ساتھ دیا۔ ہمیں سفر میں کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔ بہت دن رات سفر کرنے کے بعد ہم صحیح سلامت بصرہ پہنچ گئے۔ میں نے چند دن وہاں قیام کیا اور پھر اپنا مال لے کر بغداد کا رستہ لیا۔ وطن پہنچ کر مجھے جتنی خوشی ہوئی میں بیان نہیں کر سکتا۔ میرے گھر پہنچنے کی خبر پھیلی تو سارے دوست احباب اور

رشتے دار دوڑے دوڑے مبارک باد دینے آئے۔

میرے پاس اب دولت کی کمی تو کوئی تھی نہیں۔ میں نے بہت سے نئے مکان اور زمینیں خرید لیں، سینکڑوں آدمی ملازم رکھ لیے، تجارت کر کے خوب روپیہ کمایا۔ کوئی دن ایسا نہ جاتا جب میں اپنے دوستوں کی دعوت نہ کرتا۔ وہ جو کسی نے کہا ہے کہ، ''ہر روز روزِ عید تھا، ہر شب شبِ برات''، وہی حال میرا تھا۔ سفر کی مصیبتیں، پردیس کے دن رات، سب کسی سنی ہوئی کہانی کی طرح تھے۔ کبھی بھول کر بھی اُدھر خیال نہ جاتا تھا۔ سوائے گل چھرّے اُڑانے کے کوئی کام نہ تھا۔ یہ تھی، بھائیو، میرے پہلے سفر کی کہانی۔ خدا نے چاہا تو کل آپ لوگوں کو اپنے دوسرے سفر کا قصہ سناؤں گا۔

یہ کہہ کر سندباد جہازی خاموش ہو گیا۔ شام کا اندھیرا چھا رہا تھا۔ ہال میں فانوس روشن کیے گئے اور دوبارہ دسترخوان بچھایا گیا۔ سندباد جہازی نے سندباد حمال سے کہا کہ، ''میاں، اب تم رات کا کھانا کھا کر جانا۔'' سب نے سامنے چُنے ہوئے کھانوں کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا۔ اِس کے بعد سندباد جہازی نے سندباد حمال کو سو اشرفیاں دیں اور کہا: ''آج ہم سب تمھارے یہاں آنے سے بہت خوش ہوئے۔ تم کل بھی ضرور آنا۔''

سندباد حمال نے خوش ہو کر اشرفیاں لے لیں اور سندباد جہازی کی فیاضی اور ہمدردی کی بڑی تعریف کی۔ گھر جاتے وقت راستے بھر وہ سندباد جہازی کے سنائے ہوئے قصے پر غور کرتا اور حیران ہوتا رہا۔ اُس نے پہلے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کوئی آدمی ایسا عجیب و غریب سفر بھی کر سکتا ہے۔

رات کو وہ اپنے گھر سویا اور صبح ہوتے ہی سندباد جہازی کی حویلی کی طرف چل دیا۔ سندباد جہازی نے اُس کی بہت خاطر کی۔ کچھ دیر بعد باقی مہمان آ گئے۔ اُن سب نے مل کر خوب جشن منایا۔ جب کھانے پینے سے فرصت ہو گئی تو سندباد جہازی نے اپنے دوسرے سفر کا قصہ سنانا شروع کیا۔

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

دوسرا سفر

دوستو، میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں کہ بغداد پہنچ کر میں پہلے کی طرح عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔ دن رات سیر تماشے کے سوا مجھے کوئی کام نہ تھا۔ لیکن یہ سلسلہ آخر کب تک چلتا۔ میری طبیعت اس چین کی زندگی سے بھی اکتا گئی۔ پھر کیا تھا، ہر وقت یہی جی چاہتا کہ فوراً بوریا بستر باندھ کر سفر پر نکل کھڑا ہوں اور دنیا کی سیر کروں۔ نئے ملکوں میں جاؤں، نئے لوگوں سے ملوں۔ آخر مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے بہت سا اچھی قسم کا تجارتی سامان خریدا اور سفر کی تیاری کر کے دریائے دجلہ کے راستے بصرہ پہنچا۔ وہاں اتفاق سے بندرگاہ میں ایک بالکل نیا اور خوب صورت جہاز، کیل کانٹے سے لیس، چلنے کے لیے بادبان تول رہا تھا۔ اُس پر بہت سے سوداگر پہلے ہی سوار تھے۔ میں بھی سامان لدوا کر اُن کے ساتھ ہو گیا۔ میرے سوار ہونے کے کچھ ہی دیر بعد جہاز نے لنگر اٹھایا اور چل پڑا۔

ہوا موافق تھی۔ ہم دن رات سفر کرتے رہے اور بہت سے جزیروں اور بندرگاہوں سے ہمارا گزر ہوا، جہاں ہم نے خوب لین دین کیا اور نفع اٹھایا۔ اسی طرح سفر کرتے کرتے قسمت کا کرنا کیا ہوا، ہمارا جہاز ایک ایسے جزیرے کے کنارے پہنچا جو دیکھنے میں بڑی بہار کا لیکن بالکل غیر آباد تھا۔ ہر طرف پھلوں کے درخت اور پھولوں بھری جھاڑیاں نظر آتی تھیں، صاف شفاف ندیاں بہہ رہی تھیں اور پرندے چہچہا کر خدا کی تعریف کر رہے تھے۔ غرض کہ اُس جزیرے کی تازگی اور

سرسبزی دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک پڑتی تھی۔

کپتان نے لنگر ڈال دیا اور ملاح، مسافر اور سوداگر جھٹ پٹ اتر کر جزیرے کی سیر سے دل بہلانے لگے اور تازہ میوے کھانے لگے۔ میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ ہرے بھرے جنگل میں ٹہلتا ٹہلتا میں ذرا دور نکل گیا۔ وہاں ایک ندی کے کنارے، گھنے درختوں کے سائے میں، نرم نرم گھاس پر بیٹھ کر میں نے پھل کھائے اور بہتا پانی پیا۔ سنسان جنگل میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ مجھے نیند آنے لگی۔ میں گھاس پر لیٹ گیا اور مجھے پتا بھی نہ چلا کہ کب میری آنکھ لگی۔

نہ جانے میں کتنی دیر سویا رہا۔ جب میری آنکھ کھلی تو مجھے تنہائی کا احساس ہوا۔ میں نے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنا چاہا مگر اُن کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اب تو میں گھبرا کر ساحل کی طرف دوڑا۔ ساحل ویران پڑا تھا۔ غور سے دیکھنے پر بہت دور نیلے سمندر پر ایک سفید سا نقطہ نظر آیا۔ کچھ دیر بعد وہ بھی افق کے پار چھپ گیا۔ جہاز مجھے جزیرے پر بے یار و مددگار چھوڑ کر جا چکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جب جہاز روانہ ہونے لگا تو کسی کو میرا خیال ہی نہ آیا۔ کسی نے یہ بھی نہ سوچا کہ سندباد واپس آیا ہے کہ نہیں۔ بغیر سوچے سمجھے اور دیکھے بھالے وہ وہاں سے چلے گئے۔

خود کو جزیرے پر اکیلا پا کر میرے ہوش گم ہو گئے۔ میں ساحل پر پچھاڑیں کھانے اور اپنے بال نوچنے لگا۔ میں نے کہا: ''سندباد، اب تم مارے گئے۔ پچھلے سفر میں تو کچھ بھلے مانس ایسے مل گئے تھے جو مجھے ویرانے سے نکال کر آبادی میں چھوڑ آئے تھے لیکن اس اجاڑ جزیرے پر کون میری مدد کو آئے گا۔ میں بڑا ہی احمق ہوں۔ اچھا بھلا بغداد میں بیٹھا تھا، سو طرح کے آرام تھے۔ یہ بیٹھے بٹھائے مجھے کیا سوجھی کہ گھر بار چھوڑ چھاڑ کر سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ پچھلی بار اتنی مشکل سے جان بچی تھی لیکن میں نے کسی بات سے سبق حاصل نہ کیا۔ اب پچھتانے سے کیا ہوتا ہے۔ سندباد، تُو اِس جزیرے پر مرکھپ جائے گا اور تیرے جینے مرنے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔''

غرض بہت دیر تک میں اسی طرح اپنے آپ کو برا بھلا کہتا اور دل ہی دل میں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کڑھتا رہا۔ مجھے یقین سا ہو گیا کہ اب میرا بچنا محال ہے۔ ساحل پر کب تک بیٹھا رہتا۔ اٹھ کر اِدھر اُدھر پاگلوں کی طرح گھومنے لگا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ مجھے کسی کل چین نہ تھا۔ یوں ہی پھرتے پھرتے مجھے خیال آیا کہ کسی اونچے سے درخت پر چڑھ کر چاروں طرف دیکھنا تو چاہیے۔ شاید کوئی آبادی یا راستہ دکھائی دے جائے۔ چنانچہ میں ایک بہت اونچے درخت پر چڑھ کر ہر طرف دیکھتا رہا مگر نیلے آسمان، نیلے سمندر، ہرے جزیرے اور ریتلے ساحل اور اُڑتے پرندوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ میں اترنے ہی کو تھا کہ مجھے دور جزیرے کے بیچ میں کسی سفید سی چیز کی جھلک دکھائی دی۔ اتنی دور سے ٹھیک پتا نہ چلتا تھا کہ وہ کیا ہے۔

میں جلدی جلدی درخت سے اترا اور اسی طرف روانہ ہو گیا جدھر وہ سفیدی دکھائی دی تھی۔ قریب پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ سفید رنگ کا ایک بہت بڑا گنبد زمین پر رکھا ہے۔ میں حیران ہو کر اُس کے گرد گھومنے لگا۔ اُس میں اندر جانے کا کوئی دروازہ نہ تھا اور اُس کی سطح اتنی ہموار اور چکنی تھی کہ اُس پر چڑھنا محال تھا۔ میں نے زمین پر نشان لگا کر، گنبد کا گھیر ناپنے کی غرض سے، اُس کے گرد ایک چکر اور لگایا۔ اُس کا گھیر پچاس قدم سے بھی زیادہ تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ اِس اجاڑ جگہ پر اتنا زبردست گنبد بنانے کی سوجھی کسے اور پھر یہ کیا چکر کہ اِس میں نہ دروازہ ہے نہ کھڑکی؟

میں اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ یکایک اندھیرا چھانے لگا، جیسے برسات میں سورج کے آگے گھٹا آجانے سے دھوپ غائب ہو جاتی ہے۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو ایک حد سے زیادہ لمبا چوڑا پرندہ ہوا میں منڈلاتا نظر آیا۔ اُس کے پر اِس قدر لمبے تھے کہ سورج اُن کی آڑ میں آ گیا تھا اور جزیرے پر اندھیرا چھانے لگا تھا۔

اُس دیوزاد پرندے کو دیکھتے ہی مجھے ایک بات یاد آ گئی جو میں نے لڑکپن میں بڑے بوڑھے جہاں دیدہ سیاحوں سے سنی تھی۔ وہ بتاتے تھے کہ ہمارے بغداد سے سمندروں دور بعض جزیروں پر رُخ نامی ایک ہیبت ناک پرندہ رہتا ہے۔ وہ ہاتھی پکڑ پکڑ

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کر اپنے بچوں کو کھلاتا ہے اور جس پرندے کے بچے سالم ہاتھی کھا جاتے ہوں اُس کے قدوقامت اور پیروں کی لمبائی کا کیا کہنا! رخ کو دیکھتے ہی مجھے پتا چل گیا کہ جسے میں گنبد سمجھ رہا تھا وہ دراصل رخ کا انڈا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے رخ نیچے اتر آیا اور انڈے پر بالکل اسی انداز میں بیٹھ گیا جیسے مرغی بیٹھ کر انڈے سیتی ہے۔ انڈے پر بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد رخ سو گیا۔ واہ اللہ میاں! تمہاری قدرت کی کس منہ سے تعریف کی جائے۔ ساری دنیا سوتی ہے، تم سدا جاگتے رہتے ہو۔

موقع اچھا تھا۔ میں نے اپنی پگڑی اتاری اور اُسے خوب بل دیے یہاں تک کہ وہ رسّی کی طرح ہوگئی۔ اِس کے بعد میں نے اُس کا ایک سرا کس کر اپنی کمر سے اور دوسرا رخ کی ٹانگ سے باندھا اور انتظار کرنے لگا۔ میں نے سوچا: ''ہوسکتا ہے یہ رخ مجھے کسی ایسی جگہ پہنچا دے جو انسانوں کی آبادی سے قریب ہو۔ اِس ویران جزیرے میں پڑے رہنے سے فائدہ؟'' میں اُس کی ٹانگ سے بندھا صبح کی راہ دیکھنے لگا۔

خدا خدا کر کے وہ پہاڑ سی رات کٹی اور مشرق میں صبح کا اجالا نمودار ہوا۔ روشنی ہوتے ہی رخ انڈے پر سے اٹھا، زور سے چیخ ماری جس سے سارا جزیرہ دہل گیا اور پھر پر پھیلا کر اُڑنے لگا۔ میں بھی اُس کی ٹانگ سے بندھا اُڑا جا رہا تھا۔ رخ اُڑتے اُڑتے اتنا بلند ہوا کہ زمین ذرا سی نظر آنے لگی اور میں سمجھا کہ ہم آسمان کو چھونے والے ہیں۔ کچھ دیر اتنی بلندی پر اُڑنے کے بعد اُس نے اترنا شروع کیا اور نیچے پہنچ کر ایک پہاڑ پر اتر گیا۔

اُس کے اترنے کی دیر تھی کہ میں نے جلدی سے پگڑی کھولی اور دبے پاؤں چلتا ہوا الگ جا کھڑا ہوا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں اُسے میری موجودگی کا پتا نہ چل جائے۔ وہ میرے ہلکے سے چونچ بھی مار دیتا تو میں وہیں ڈھیر ہو جاتا۔ خوش قسمتی سے اُسے میری خبر بھی نہ ہوئی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے جھپٹا مارا اور کوئی بڑی لمبی سی کالی چیز پنجوں میں دبا کر اُڑ گیا۔ میں نے غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ رخ ایک زبردست اژدہے کو اٹھا کر لے جا رہا ہے۔

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

رخ کے جانے کے بعد میں نے اردگرد نظر دوڑائی۔ دیکھا کہ میں ایک پتھریلی ڈھلان پر کھڑا ہوں۔ میرے قدموں تلے ایک بہت گہری اور لمبی چوڑی وادی ہے جس میں سوائے پتھروں کے کچھ نہیں اور میرے سر پر ہر طرف دیوار کی طرح سیدھے پہاڑ آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میرے ہوش اُڑ گئے اور میں نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو خوب کوسا۔ ''اِس آفت کی جگہ سے تو وہ جزیرہ ہی لاکھ گُنا بہتر تھا۔ وہاں بھوکے پیاسے مرنے کا خطرہ تو نہ تھا۔ یہاں اِن پہاڑوں پر اور اِس کالے پتھروں کی وادی میں پیٹ بھرنے اور پیاس بجھانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ کوئی پیڑ تک نہیں کہ آدمی تھک ہار کر گھڑی دو گھڑی اُس کے سائے میں ستالے۔ یہاں سے جاؤں تو کہاں جاؤں؟ اِن اونچے سیدھے پہاڑوں پر کون چڑھ سکتا ہے۔ پہلے اُس جزیرے پر قید تھا۔ جتن کر کے وہاں سے چھوٹا تو یہاں آ پھنسا اور یہ قید پہلے سے بھی بدتر ہے۔ وہاں جنگلی میوے کھانے اور ندی کا پانی پینے کو تو مل جاتا تھا۔ اب اُس سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ واہ ری قسمت!''

غرض اِس طرح کی باتیں کرتا ہوا ڈھلان اتر کر وادی میں پہنچا۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ وادی ایک سرے سے دوسرے تک ہیروں سے پٹی پڑی ہے۔ وہاں ہر قسم اور ہر سائز کے ہیرے موجود تھے۔ اور بعض تو اتنے نادر اور بے بہا تھے کہ بادشاہوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے۔ ساری وادی دھوپ میں جگمگ جگمگ کر رہی تھی لیکن اُن ہیروں کے ساتھ ہی وہاں اژدہے اور سانپ بھی بکثرت موجود تھے اور اُن کی شکلیں دیکھ کر اور پھنکار سن کر میری ٹانگیں کانپنے لگیں۔ بعض اژدہے تو اتنے موٹے اور لمبے تھے جیسے تاڑ کے درخت کا تنا اور اگر ہاتھی بھی اُن کے ساتھ آ جاتا تو وہ اُسے بھی ایک سانس میں نگل لیتے۔ میری جان اُن سے اِس طرح بچی کہ اُس وقت وہ تیزی سے رینگ رینگ کر اپنے غاروں اور بلوں میں جا رہے تھے۔ دن کے وقت وہ رخوں کے ڈر سے چُھپے رہتے تھے اور رات کو باہر نکلتے تھے۔

اژدہوں کے ڈر سے میری بھوک پیاس اُڑ گئی۔ میں سوچنے لگا کہ رات کو اُن

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

سے میری جان کیسے بچے گی۔ کچھ دیر بے کار پھرنے کے بعد میں نے کوئی ایسی جگہ ڈھونڈنے کی کوشش کی جہاں چھپ کر میں رات بسر کر سکوں۔ شام کے وقت ایک الگ تھلگ سی جگہ پر مجھے ایک غار نظر آیا۔ اُس کا دہانہ بہت چھوٹا تھا۔ میں نے طے کیا کہ اسی غار میں پناہ لینی چاہیے۔ میں نے اُس میں داخل ہو کر دہانے کو ایک بھاری پتھر سے بند کر دیا تاکہ باہر سے کوئی نہ آ سکے اور اطمینان کی سانس لی۔ جب میری آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہوگئیں تو میں نے غار کو دیکھنا بھالنا چاہا۔ میں چند قدم ہی چلا تھا کہ غار میں پرلی طرف ایک بہت بڑا اژدہا نظر آیا جو اپنے انڈوں پر کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اندر کی سانس اندر اور باہر کی باہر رہ گئی۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ باہر جاؤں تو خطرہ، اندر رہوں تو خطرہ۔ آخر میں نے سوچا کہ اپنے آپ کو اللہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اُسے بچانا منظور ہوگا تو بچا لے گا۔ یہ سوچ کر میں وہیں بیٹھ گیا اور ساری رات آنکھوں میں کاٹی۔ ڈرے ہوئے آدمی کو نیند کیا آتی۔

صبح ہوتے ہی میں پتھر ہٹا کر لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا۔ ایک تو میں بھوکا پیاسا، دوسرے دو راتوں سے سویا نہ تھا، تیسرے جان کے ڈر سے بے حال تھا۔ غرض ٹانگوں میں سکت نہ رہی تھی۔ بغیر کسی مقصد کے گرتا پڑتا ایک طرف چلا جا رہا تھا کہ گوشت کا لوتھڑا چٹانوں سے لڑھکتا ہوا میرے سامنے آ گرا۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ذبح کی ہوئی اور کھال اتری ہوئی بھیڑ ہے۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ پتا نہ چل سکا کہ یہ ماجرا کیا ہے اور بھیڑ کس نے کس لیے نیچے پھینکی ہے۔ سوچتے سوچتے مجھے ایک بات یاد آ گئی جو میں نے کئی بار سیاحوں اور سوداگروں کی زبانی سنی تھی۔ اُن لوگوں کا کہنا تھا کہ بہت دور ایک جزیرے پر ہیروں کے پہاڑ ہیں اور اُن پہاڑوں کے بیچ میں ایک وادی ہے جو ہیروں سے اٹی پڑی ہے۔ لیکن پہاڑوں کی وجہ سے انسانوں کا اُس وادی میں گزر ناممکن ہے اور اگر بالفرض محال کوئی وہاں پہنچ بھی جائے تو وادی میں رہنے والے اژدہوں سے جان نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ سوداگروں نے وادی

سے ہیرے حاصل کرنے کی ایک انوکھی ترکیب نکالی ہے۔ وہ دن کے وقت بھیڑ ذبح کر کے، کھال اتار کے، پہاڑ سے نیچے وادی میں پھینک دیتے ہیں۔ جب وہ بھیڑ نیچے گرتی ہے تو ہیرے نرم اور تر گوشت میں پھنس جاتے ہیں۔ دوپہر کو جب عقاب اور سیمرغ شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں تو بھیڑیں اٹھا کر اپنے اپنے گھونسلوں میں لے آتے ہیں۔ اُنھیں گھونسلوں میں اترتا دیکھ کر سوداگر شوروغل مچاتے ہوئے اُن کی طرف دوڑتے ہیں۔ اُن کے شور سے گھبرا کر پرندے بھیڑوں کو چھوڑ چھاڑ کر اُڑ جاتے ہیں۔ اُن کے جانے کے بعد سوداگر بھیڑ کے گوشت سے ہیرے چُن کر ہنسی خوشی اپنی راہ لیتے ہیں۔

یہ بات یاد آتے ہی میں سمجھ گیا کہ بھیڑ کیوں پھینکی گئی ہے۔ فوراً ہی مجھے اُس ڈراؤنی وادی سے نکلنے کی ایک ترکیب سوجھی۔ میں نے دوڑ بھاگ کر عمدہ عمدہ ہیرے اٹھانے اور جیبوں میں بھرنے شروع کر دیے۔ جب جیبیں بھر گئیں تو میں اُنھیں آستینوں میں اکٹھے کرنے لگا۔ اِس طرح سینکڑوں ہیرے جمع کرنے کے بعد میں نے پگڑی اتاری اور اپنے آپ کو خوب مضبوطی سے بھیڑ سے باندھ لیا۔ پھر میں بھیڑ کے نیچے لیٹ کر انتظار کرنے لگا۔ دوپہر ہونے والی تھی۔ اِس لیے مجھے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ ایک سیمرغ نے آ کر جھپٹا مارا اور بھیڑ اور مجھے لے اُڑا۔ اُڑتے اُڑتے وہ پہاڑ کی چوٹی پر جا اترا اور بھیڑ کو نوچ کر کھایا ہی چاہتا تھا کہ ایک طرف سے ڈھول پٹنے، نرسنگے پھُکنے اور چیخنے چلّانے کی آوازیں آئیں اور اِس قدر شور ہوا کہ سیمرغ بھیڑ کو چھوڑ کر اُڑ گیا۔ میں نے فوراً پگڑی کھولی اور بھیڑ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ میرا حلیہ بڑا عجیب تھا۔ کپڑے خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اور چہرے پر جگہ جگہ خون لگا ہوا تھا۔

اتنے میں جدھر سے شور ہوا تھا اُدھر سے ایک آدمی میری طرف دوڑا ہوا آیا۔ جب اُس کی نظر مجھ پر پڑی تو ہکا بکا رہ گیا اور ڈر کے مارے اُس نے میری طرف دوبارہ دیکھا بھی نہیں بلکہ بڑھ کر بھیڑ کو الٹنے پلٹنے لگا۔ اُس میں ہیرے کہاں باقی رہے تھے۔ وہ تو میں نے سب سے پہلے ہتھیا لیے تھے۔ جب تلاش کے باوجود کوئی

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہیرا ہاتھ نہ آیا تو اُس آدمی نے اپنی پگڑی اتار کر زمین پر دے ماری اور بال نوچ کر بولا: ''میں لٹ گیا! میں تباہ ہو گیا! میری ساری محنت اکارت گئی۔ یہ کیا معمّا ہے، میرے خدا؟''

میں اُسے ڈھارس دینے کے لیے آگے بڑھا تو وہ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا: ''تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے؟'' میں نے جواب دیا: ''صاحب، مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں کوئی جن بھوت نہیں بلکہ آپ ہی کی طرح کا انسان ہوں۔ سوداگری میرا پیشہ ہے۔ اگر آپ میرے اِس پہاڑ پر پہنچنے کا قصہ سنیں تو دنگ رہ جائیں گے اور کہیں گے کہ واقعی ایسی باتیں تو کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھیں۔ میرا قصہ انتہائی حیرت انگیز ہے لیکن اِس سے پہلے کہ میں اُسے بیان کروں آپ میری طرف سے، تحفے کے طور پر، یہ ہیرے قبول فرمایئے جو میں اژدہوں کی وادی سے چُن کر لایا ہوں۔''

یہ کہہ کر میں نے بہت سے قیمتی ہیرے اُسے پیش کیے۔ وہ اُن کی چمک دمک، وزن اور خوب صورتی دیکھ کر حیران رہ گیا اور مجھے دعائیں دینے لگا۔ ہم ابھی باتیں کر رہے تھے کہ اُس سوداگر کے اور ساتھی بھی آ پہنچے۔ اُن سب نے میرے گرد مجمع لگا لیا اور میری کہانی سننے لگے۔ پورا قصہ سن کر اُنھیں بڑا اچنبھا ہوا اور وہ بولے: ''سچ ہے، جسے اللہ بچانا چاہے اُس کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ تم پر اللہ کا خاص کرم ہے ورنہ ہم نے تو آج تک کسی آدمی کو ہیروں کی وادی میں جاتے اور زندہ سلامت لوٹ کر آتے دیکھا نہ سنا۔''

اِس کے بعد وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے خیمے میں لے گئے جہاں اُنھوں نے میری خوب خاطر تواضع کی۔ میں نے بھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور پھر لمبی تان کر سو گیا۔ اگلی صبح ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور پہاڑوں پہاڑوں سفر کرتے ہوئے آخر سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر ہم ایک خوش گوار جزیرے کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے جہاں بڑا گھنا جنگل تھا اور اتنے بڑے بڑے درخت تھے

کہ اُن کے سائے میں سو سو آدمی آرام سے بیٹھ سکتے تھے۔ کافور اُنھیں درختوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اُس کا طریقہ یہ ہے۔ کافور نکالنے والا کسی نوکدار چیز سے درخت کے تنے میں سوراخ کر دیتا ہے۔ اُس سوراخ میں سے ایک عرق ٹپک ٹپک کر نیچے رکھے ہوئے برتن میں جمع ہو جاتا ہے۔ اُس عرق کی جمی ہوئی شکل کو کافور کہتے ہیں۔

اُس جزیرے میں گینڈا بھی پایا جاتا ہے جو کرگدن کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ وہاں میدانوں میں گائے بھینسوں کی طرح چرتا پھرتا ہے اور اُس کے ماتھے پر ایک بڑا سا سینگ ہوتا ہے۔ بعض لوگ اُس سینگ کو دس گز لمبا بتاتے ہیں۔ سیاحوں کا کہنا ہے کہ گینڈا اتنا طاقتور جانور ہے کہ بڑے سے بڑے ہاتھی کو ٹکر مار کر اپنے سینگ میں پرو لیتا ہے اور اٹھائے اٹھائے پھرتا ہے۔ جب ہاتھی اُس کے سینگ کے اوپر ہی مر جاتا ہے اور دھوپ کی تیزی سے اُس کی چربی پگھل پگھل کر بہتی ہوئی گینڈے کی آنکھوں میں پڑ جاتی ہے اور وہ اندھا ہو جاتا ہے۔ اِس کے بعد رخ مرے ہوئے ہاتھی اور اندھے گینڈے کو اٹھا کر لے جاتا ہے اور اپنے بچوں کو کھلاتا ہے۔ یہ باتیں میں نے مسافروں اور سیاحوں سے سنی ہیں اور اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اُن باتوں میں کتنا جھوٹ اور کتنا سچ ہے۔

وہاں میں نے کچھ ہیرے تو بڑی بھاری قیمت پر فروخت کر دیے اور کچھ کے بدلے ہزار طرح کا عمدہ اور بکاؤ تجارتی مال خرید کر ایک جہاز پر لدوا دیا۔ ہوا موافق دیکھ کر ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور جزیروں کی سیر کرتے اور مختلف بندرگاہوں میں ٹھیرتے ٹھیراتے آخر صحیح سلامت بصرے پہنچ گئے۔ وہاں چند دن ستا کر میں نے بغداد کا رستہ لیا اور زر و جواہر اور تجارتی مال سے لدا پھندا گھر پہنچا۔ میری واپسی کی خبر سنتے ہی دوست اور رشتے دار آ کر جمع ہو گئے اور خدا کا شکر ادا کرنے اور مجھے مبارک باد دینے لگے۔ میں نے اُنھیں بہت سے تحفے دیے، شہر کے محتاجوں کو کھانا کھلایا اور غریب آدمیوں کی مدد کی۔

بغداد میں پہنچنا تھا اور گھر کا آرام ملنا تھا کہ میں چند ہی دن میں سفر کی مصیبتیں

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور خطرے بھول گیا اور عیش کی زندگی بسر کرنے لگا۔ میرے گھر میں ہر وقت دوستوں کا مجمع رہتا، ہنسی مذاق ہوتا، دعوت اُڑتی، لوگ دور دور سے آ کر میرے سفر کا قصہ سنتے اور حیران ہوتے۔ غرض کہ یہ تھی میرے دوسرے سفر کی کہانی۔ خدا نے چاہا تو کل آپ حضرات کو اپنے تیسرے سفر کے واقعات سناؤں گا۔

یہ کہہ کر سندباد جہازی چپ ہو گیا۔ شام ہو چکی تھی ۔ ہال میں فانوس روشن کیے گئے اور دسترخوان بچھایا گیا۔ سب لوگ اطمینان سے کھانے پینے اور گپیں لڑانے لگے۔ جب دعوت ختم ہو گئی تو سندباد جہازی نے سندباد حمال کو سو اشرفیاں دیں اور کہا کہ کل ضرور آنا۔

حمال نے خوش ہو کر اشرفیاں لے لیں اور سندباد جہازی کو دعائیں دیتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔ راستے بھر وہ سندباد جہازی کے حیرت انگیز سفر پر غور کرتا رہا۔ کبھی اُسے رخ کا خیال آتا، کبھی ہیروں کی وادی یاد آتی جہاں اژدہے دن کو چھپ کر سوتے اور رات کے وقت باہر نکلتے تھے۔

رات کو وہ اپنے گھر سویا اور اگلے دن فجر کی نماز پڑھ کر سندباد جہازی کی حویلی کی طرف چل دیا۔ سندباد جہازی نے اُسے خوش آمدید کہا۔ تھوڑی دیر بعد باقی مہمان بھی آ گئے۔ سب لوگوں نے جی بھر کر دعوت کھائی۔ پھر سندباد جہازی نے اپنے تیسرے سفر کا قصہ سنانا شروع کیا۔

تیسرا سفر

دوستو، میں نے کل آپ کو بتایا تھا کہ بغداد پہنچ کر میں دوبارہ رنگ رلیاں منانے لگا۔ مجھے یاد بھی نہ رہا کہ میں پچھلے سفر کے دوران میں کئی مرتبہ مرتے مرتے بچا تھا۔ دن رات گپ لڑانے اور دعوتیں اُڑانے کے سوا مجھے کوئی کام نہ تھا۔ چند مہینے تو آرام سے گزر گئے۔ اس کے بعد میرا دل گھر بیٹھے سے گھبرانے لگا۔ مجھے تو سیر سپاٹے کا چسکا لگ گیا تھا۔ آخر مجھ سے رہا نہ گیا۔ پچھلے خطروں کو بھول بھال کے میں نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ بازار سے عمدہ اور نادر مال خریدا اور سامان سے لدا پھندا دریائے دجلہ کے راستے بصرہ پہنچا۔ بندرگاہ میں ایک جہاز نظر آیا جس پر بہت سے دولت مند سوداگر اور دین دار مسافر سوار تھے۔ پتا چلا کہ جہاز آج کل میں روانہ ہوا چاہتا ہے۔ میں سامان لدوا کر اُس جہاز پر سوار ہو گیا۔

ہوا موافق تھی اور ہم خیر و عافیت سے سفر کرتے چلے گئے۔ کبھی اس جزیرے پر دو دن ٹھیرنا، کبھی اُس بندرگاہ پر چار دن رکنا۔ گویا سیر کی سیر اور تجارت کی تجارت۔ اسی طرح چلتے چلاتے ایک دفعہ ہم سمندر میں کافی دور نکل گئے۔ جدھر نظر دوڑاتے نیلی نیلی لہروں کی ریل پیل اور نیلے آسمان کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا۔ ایک دن جہاز کا کپتان کھڑا، آنکھوں پر ہتھیلی کا سایہ کیے، سامنے افق کا جائزہ لے رہا تھا کہ یکایک اُس نے زور کی چیخ ماری، پگڑی اتار پھینکی اور پاگلوں کی طرح اپنی داڑھی نوچنے اور کپڑے پھاڑنے لگا۔ ہم سب دوڑ کر اُس کے گرد اکٹھے ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

''بندۂ خدا، یہ بیٹھے بٹھائے تجھ پر کیا دورہ پڑا؟ خیریت تو ہے؟''

کپتان نے آہ بھر کر کہا: ''جہاز والو، اب تمھیں خدا ہی بچائے تو بچائے ورنہ یہاں سے جان سلامت لے جانے کی کوئی امید بظاہر نظر نہیں آتی۔ ہوا نے ہمیں صحیح راستے سے ہٹا کر ایسے علاقے میں پہنچا دیا ہے جہاں سے کبھی کوئی مسافر نہیں لوٹا۔ سامنے جو جزیرہ نظر آ رہا ہے اُس کا نام جبل الزغب ہے۔ یہاں بالشتیوں کی ایک قوم آباد ہے جو انسانوں سے زیادہ بندروں اور لنگوروں سے مشابہ ہے۔ سنا ہے یہ کسی مسافر کو زندہ نہیں چھوڑتے۔ افسوس ہم تباہ ہو گئے۔''

کپتان کی باتیں سن کر ہمارے چھکے چھوٹ گئے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں اور کدھر جائیں۔ ہوا زبردستی ہمیں جزیرے کی طرف لیے جاتی تھی۔ جب ہمارا جہاز ساحل کے قریب پہنچ گیا تو آناً فاناً جنگل سے ہزاروں بندرنما چھوٹے قد کے جنگلی چیخیں مارتے نمودار ہوئے اور سمندر میں کود کود کر جہاز کی طرف تیر کر آنے لگے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی ٹڈی دل چلا آ رہا ہے۔ ذرا سی دیر میں وہ جہاز پر چڑھ آئے اور تعداد میں اتنے تھے کہ ہماری ہمت نہ ہوئی کہ انھیں روکیں ٹوکیں۔ ڈر یہ تھا کہ اگر ہم نے اُنھیں کچھ کہا تو کہیں یہ غصے میں آ کر ہمیں مار نہ ڈالیں۔

اُس وقت جہاز کا جو منظر تھا وہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ہر طرف کالے کلوٹے، زرد زرد آنکھوں والے بالشتیے، دانت نکالے، چیخیں مارتے ہوئے دوڑے دوڑے پھر رہے تھے۔ اُن کی بندروں جیسی شکلیں دیکھ کر اور کرخت بولی سن کر دل دہلا جا رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ مستولوں پر چڑھ گئے اور اپنے دانتوں سے چبا چبا کر بادبانوں کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ اتنے میں جہاز خشکی کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اُنھوں نے ہمیں اٹھا اٹھا کر ساحل پر پھینک دیا۔ تھوڑی دیر بعد دوسری سمت سے زور کی ہوا چلنے لگی۔ وہ جہاز دھکیلتے ہوئے دور تک لے گئے اور جب وہ ہوا کی زد میں آ گیا تو اُس پر چڑھ بیٹھے۔ ہوا جہاز کو ہانک کر ایک طرف لے گئی اور رفتہ رفتہ وہ ہماری نظر سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو گیا۔

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جہاز اور اپنے مال و اسباب چھن جانے کا افسوس تو بہت تھا لیکن ہم نے سوچا کہ جان بچی سو لاکھوں پائے۔ سچ یہ ہے کہ اُن جنگلوں میں ہمیں جان سے مار دینا کیا بڑی بات تھی۔ ساحل سے اٹھ کر ہم نے جنگل کا رخ کیا۔ خوش قسمتی سے جزیرے پر جنگلی پھلوں اور میٹھے پانی کے چشموں کی کوئی کمی نہ تھی۔ پھل کھائے اور پانی پیا تو ذرا جان میں جان آئی اور ہم جزیرے میں گھومنے پھرنے لگے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں جنگل کے بیچوں بیچ ایک بہت بڑی عمارت نظر آئی۔ ہم یہ کہہ کر کہ، ''چلو، رات بسر کرنے کا سامان تو ہوا'' اُس کی طرف لپکے۔ قریب جا کر دیکھتے کیا ہیں کہ ایک عالی شان محل کھڑا ہے اور اُس کے چاروں طرف اونچی فصیل ہے۔ اتفاق سے آبنوس کا بنا ہوا پھاٹک چوپٹ کھلا پڑا تھا۔ صحن کے ایک کونے میں ہڈیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور کئی اتنے بڑے چولھے تھے کہ لکڑیوں کی بجائے اُن میں درختوں کے پورے پورے تنے لگائے جا سکتے تھے۔ چولھوں کے پاس اتنی بڑی بڑی دیگیں اور سیخیں پڑی تھیں کہ اُن میں پورا ہاتھی پرو، پکا یا بھون لو تو پتا نہ چلے۔

ہم نے آپس میں کہا کہ، ''ہو نہ ہو یہ کسی دعوت کا سامان ہے'' اور دیر تک صحن کے چکر لگاتے رہے کہ شاید کسی آدمی کی صورت نظر آ جائے۔ آخر ہمیں نیند آ گئی۔ سوتے سوتے یکایک ہمیں یہ محسوس ہوا جیسے زلزلہ آ رہا ہو۔ ہماری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو شام ہو چکی تھی اور پھاٹک کی طرف سے دھمادھم کی آواز آ رہی تھی۔ چند لمحے بعد پھاٹک میں ایسی بلا نظر آئی کہ ہمارے اوسان خطا ہو گئے اور کپکپی چڑھ گئی۔ کہنے کو تو وہ بلا آدمی جیسی تھی مگر اتنی ڈراؤنی کہ کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ تاڑ سا قد، کالا کوئلہ رنگت، لال انگارا سی آنکھیں، بھاڑ سا منہ، لمبے لمبے دانت باہر نکلے ہوئے، ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح سینے پر اور کان مشکوں کی طرح کمر پر لٹکے اور ناخن جیسے شیر کے پنجے۔

اُس دیو کو دیکھ کر ہمارا دم ایسا خشک ہوا کہ اٹھ کر بھاگنے کا حوصلہ بھی نہ رہا۔ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چولھوں کے پاس جا بیٹھا اور لگا

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

نمورنے۔ تھوڑی دیر کی گھوراگھاری کے بعد وہ اچھل کھڑا ہوا اور دوڑ کر ہمارے پاس آیا۔ سب سے پہلے اُس نے جھپٹا مار کر مجھے اٹھایا اور اِس طرح الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا جیسے قصائی بھیڑ کو دیکھتا ہے۔ میں ٹھیرا دبلا پتلا آدمی۔ مجھ میں ہڈیوں کے سوا کیا تھا۔ اُس نے مجھے چھوڑ دیا اور میرے ایک اور ساتھی کو اٹھا کر الٹنے پلٹنے اور ٹٹولنے لگا۔ اِس طرح وہ ہر آدمی کو اٹھا اٹھا کر دیکھتا رہا۔ آخر میں اُس کا ہاتھ جہاز کے کپتان پر پڑا۔ بدقسمتی سے کپتان بہت موٹا تازہ اور تندرست آدمی تھا۔ دیو کو ایسا ہی ترنوالہ درکار تھا۔ اُس نے خوشی سے کلکاری مار کر کپتان کو زمین پر دے پٹخا اور جھٹکا دے کر اُس کی گردن توڑ دی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر ایک لمبی سی سیخ اٹھائی اور اُس میں کپتان کو اِس طرح پرو لیا جیسے کبابی سیخ پر کباب چڑھاتے ہیں۔ اِس کام سے فارغ ہو کر اُس نے ایک چولھے میں منوں لکڑی جھونک کر آگ جلائی، اُس پر کپتان کو اچھی طرح بھونا۔ جب کپتان بھن کر تیار ہو گیا تو آلتی پالتی مار کر بیٹھا اور اپنے لمبے ناخنوں سے گوشت نوچ نوچ کر کھانے لگا۔ اُس آدم خور دیو کا ظلم اور ندیدہ پن دیکھ کر ہمارا جی متلانے لگا۔ مختصر یہ کہ اُس نے ہمارے سامنے کپتان کو خوب مزے لے لے کر کھایا اور بچی کھچی ہڈیاں اُس کونے میں پھینک دیں جہاں پہلے سے ہڈیاں جمع تھیں۔ وہ پھر چولھے کے پاس ہی لیٹ کر سو گیا اور اُس کے خراٹے رات بھر ہمیں تنگ کرتے رہے۔ جب وہ خراٹا لیتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے پہاڑ پر سے پتھر لڑھک رہے ہوں۔

صبح تک وہ سوتا رہا اور پھر اٹھ کر چلتا ہوا۔ جب وہ دور نکل گیا تو ہم آپس میں باتیں کرنے لگے۔ ہم نے کہا: ''کاش ہم سمندر میں ڈوب جاتے یا بندر ہمیں مار ڈالتے۔ اِس طرح آگ پر بھونے جانے سے تو بچ جاتے۔ خدا کی قسم، یہ بہت بری موت ہے۔ لیکن جو خدا چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ اب ہمارا مرنا یقینی ہے۔ یہاں سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔'' یہ کہہ سن کر ہم اٹھے اور جزیرے میں کوئی چھپنے کی جگہ یا وہاں سے بھاگ نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگے۔ مگر ہمیں نہ راستہ ملا نہ چھپنے کی جگہ۔ ناچار ہم اسی محل میں لوٹ آئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ دیو پھر آیا اور ہمارے ایک ساتھی کو

بھون کر کھا گیا۔ صبح ہوئی اور وہ جا چکا تو ہم سر جوڑ کر بیٹھے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ سب کی رائے تھی کہ اِس طرح اپنی جان گنوانے سے کیا حاصل۔ اِس دیو کو کسی طرح دھوکے سے مار ڈالنا چاہیے۔ میں نے کہا: ''اگر اِسے مارنا ہی ہے تو پہلے ایک کام کرو۔ لکڑیاں جوڑ کر ایک کشتی بنا لو تاکہ اِسے مارنے کے بعد اِس جزیرے سے نکل جائیں۔'' میرا کہا سب نے مان لیا۔ ہم نے جا کر ایک کشتی بنائی اور اُس میں بہت سے پھل رکھ دیے تاکہ سفر میں کھانے کے کام آئیں۔

شام کو دیو لوٹا اور پہلے کی طرح ہمارے ایک ساتھی کو کھا لیا۔ جب وہ سویا اور خراٹے لینے لگا تو ہم نے دو سیخیں اٹھائیں اور آگ جلا کر اُنھیں اتنا گرم کیا کہ وہ انگاروں کی طرح لال ہو گئیں۔ اُس کے بعد ہم دیو کے پاس آئے اور پورے زور سے سیخیں اُس کی آنکھوں میں بھونک دیں۔ وہ بڑے زور سے چیخا اور اٹھ کر ہمیں ڈھونڈنے لگا۔ ہم اِدھر اُدھر دوڑتے پھرے اور اُس کے ہاتھ نہ آئے۔ وہ اندھا ہو چکا تھا۔ اِس لیے ہمیں پکڑنے میں ناکام رہا۔ اِس کے باوجود خوف کے مارے ہماری بری حالت تھی۔

آخر وہ مایوس ہو کر بکتا جھکتا محل سے باہر چلا گیا۔ ہم بھی جھٹ پٹ کشتی کی طرف دوڑے۔ ابھی اُس پر سوار ہو ہی رہے تھے کہ وہ دیو اپنے سے بھی زیادہ لمبی تڑنگی اور ڈراؤنی دیونی کو ساتھ لیے آ پہنچا۔ دونوں کے ہاتھوں میں بڑے بڑے پتھر تھے۔ ہم نے کشتی سمندر میں ڈال دی۔ اُنھوں نے پتھر پھینکنے شروع کیے۔ اُن پتھروں سے ہمارے بہت سے ساتھی مارے گئے۔ صرف میں اور دو اور آدمی زندہ بچے۔

سمندر میں لہروں کے زور سے چلتے چلاتے ہم ایک اور جزیرے پر پہنچے۔ شام تک اُس کی سیر کی۔ رات ہوئی تو ایک جگہ پڑ کر سو رہے۔ ایک ساتھی کے چیخنے چلانے سے آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک بہت بڑے اژدہے نے اُسے نگل لیا ہے۔ صرف اُس کا سر باہر ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے وہ اُسے پورے کا پورا نگل گیا۔ ہمیں اپنے ساتھی کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اُسے ہڑپ کر کے اژدہے نے اپنی راہ لی۔

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

میں اور میرا ساتھی ایک دوسرے سے کہنے لگے: ''عجیب بات ہے کہ ہر نئی موت پرانی موت سے بدتر نظر آتی ہے۔ آدم خور دیو سے نجات ملی تو اس ظالم اژدہے کے ہتھے چڑھ گئے۔''

صبح کو اٹھ کر ہم نے جزیرے کی سیر کی، میوے کھائے اور ندیوں سے پانی پیا۔ شام کے وقت ہمیں ایک بہت بڑا اور اونچا درخت نظر آیا۔ ہم یہ سوچ کر اُس پر چڑھ گئے کہ اژدہا یہاں تک نہیں پہنچ سکے گا۔ افسوس کہ یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ رات کو اژدہا آنکھیں چمکاتا آیا اور درخت پر چڑھ کر میرے ساتھی کو نگل گیا اور چلتا بنا۔

جب دن نکلا تو میں درخت سے اترا۔ ڈر کے مارے مجھ سے چلا بھی نہ جا رہا تھا۔ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اژدہے سے کیسے جان بچاؤں۔ اچانک مجھے ایک ترکیب سوجھ گئی۔ میں نے بہت سی لکڑیاں اکٹھی کر کے ایک پنجرہ سا بنا لیا اور اُس کے اندر بیٹھ گیا۔ رات کو اژدہا آیا مگر لکڑیوں کی وجہ سے وہ مجھ تک نہ پہنچ سکا۔ بس اردگرد چکر کاٹتا اور پھنکارتا رہا۔ آخر صبح کی روشنی نمودار ہوئی اور اژدہا وہاں سے دفع ہوا۔

میں نے پنجرے سے نکل کر مایوسی کے عالم میں ساحل کا رخ کیا۔ سوچتا تھا کہ خود کو سمندر میں گرا دوں گا۔ اتنے میں دور ایک جہاز نظر آیا۔ میں نے ایک درخت کی بڑی سی ٹہنی توڑ کر ہلانی شروع کی اور شور مچایا۔ میری قسمت اچھی تھی۔ جہاز والوں کی مجھ پر نظر پڑ گئی۔ وہ جہاز کو ساحل تک لے آئے۔ مجھے دیکھ کر حیران ہوئے اور پھر اپنے ساتھ لے گئے۔ میں نے اُنھیں اپنی کہانی سنائی جسے سن کر اُن کی حیرت اور بڑھ گئی۔ بہت دن بعد اچھا کھانا کھانے کو ملا۔ میں نے پیٹ بھر کر کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا جس کی مہربانی سے میری جان بچی۔

جہاز چلتے چلتے ایک جزیرے پر پہنچا۔ سوداگروں نے وہاں اتر کر مال بیچنا اور خریدنا شروع کیا۔ اُدھر کپتان نے مجھ سے کہا: ''تو نے بہت آفت جھیلی ہے۔ میں تجھے تھوڑا سا فائدہ پہنچانا چاہتا ہوں تاکہ تو اپنے وطن خیریت سے پہنچ جائے اور مجھے دعائیں دے۔ ہمارے ساتھ ایک مسافر تھا جو راستے میں گم ہو گیا۔ معلوم نہیں زندہ ہے یا مر چکا ہے۔ اُس کا مال جہاز پر پڑا ہے۔ وہ لے جا کر جزیرے پر بیچ آ۔ جو

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

آمدنی ہوگی اُس میں سے کچھ حصہ تیرا ہوگا۔ باقی ہم بغداد میں اُس کے گھر والوں کو تلاش کر کے دے دیں گے۔'' میں نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' وہ مال اتارا گیا تو بندرگاہ پر چنگی کے منشی نے کہا: ''کپتان صاحب، یہ مال کس کا ہے؟ رجسٹر میں کس کا نام لکھوں؟'' کپتان بولا: ''سندباد جہازی کا نام لکھو۔ وہ سفر کے دوران گم ہو گیا ہے۔''

جب میں نے یہ بات سنی اور کپتان کو غور سے دیکھا تو پہچان لیا اور جا کر کہا: ''صاحب، آپ کو پتا ہے کہ سامان کے مالک پر کیا گزری؟'' کپتان نے جواب دیا: ''ہم ایک جزیرے پر رکے تھے۔ وہاں وہ کہیں غائب ہو گیا۔'' میں نے کہا: ''ارے صاحب، خدا آپ کو سلامت رکھے۔ میں ہی سندباد جہازی ہوں۔ اُس جزیرے پر اتر کر سیر کرتے کرتے میں ایک جگہ سو گیا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو جہاز جا چکا تھا۔ یہ مال میرا ہے۔ اِس بات کی گواہی وہ سوداگر دے سکتے ہیں جو ہیروں کی تجارت کرتے ہیں۔ اُن سے میری ملاقات اُن پہاڑوں پر ہوئی تھی جو ہیروں کی وادی کے گرد واقع ہیں اور میں نے اُنھیں اپنا سارا واقعہ سنایا تھا۔''

میری باتیں سن کر بہت سے سوداگر میرے آس پاس جمع ہو گئے۔ کوئی کہتا کہ یہ آدمی سچا ہے۔ کوئی مجھے جھوٹا قرار دیتا۔ ایک سوداگر نے جب ہیروں کی وادی کا ذکر سنا تو میرے قریب آیا اور کہنے لگا: ''ہاں، یہی وہ آدمی ہے جو ہیروں کی وادی سے زندہ سلامت نکل کر ہمارے پاس پہنچا تھا۔ میں نے تم لوگوں کو پورا قصہ سنایا تھا کہ کس طرح میری پھینکی ہوئی بھیڑ کے ساتھ لٹک کر وہ وادی سے نکلا تھا اور مجھے بہت سے نہایت قیمتی ہیرے تحفے میں دیے تھے۔ پھر ہم اُسے بصرے تک ساتھ لے گئے تھے۔ اُس نے ہمیں بتایا تھا کہ اُس کا نام سندباد جہازی ہے اور کس طرح وہ ایک جزیرے پر اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا تھا۔ جب میں نے تمھیں یہ قصہ سنایا تھا تو تم سب ہنستے تھے اور اُسے گپ سمجھتے تھے۔ آخر قصہ سچا نکلا نا!''

اُس کے بیان کا بڑا اثر ہوا اور کپتان نے مجھ سے پوچھا کہ، ''تیرے مال کی کیا نشانیاں ہیں؟'' میں نے اُسے نشانیوں کی خبر دی اور یہ بھی بتایا کہ بصرے سے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

روانہ ہوتے وقت ہم دونوں کی کیا بات ہوئی تھی۔ آخر کپتان کو یقین آ گیا کہ میں سندباد جہازی ہی ہوں۔ اُس نے مجھے گلے لگا لیا، زندہ بچ جانے پر مبارک باد دی اور کہا کہ، ''اِس سے زیادہ عجیب واقعہ میں نے کبھی نہیں سنا۔''

میں نے اپنا مال لے جا کر بیچنا شروع کیا۔ نیا مال بھی خریدتا رہا۔ اُس سفر میں مجھے بہت فائدہ ہوا۔ ہم جزیرے جزیرے سفر کرتے سندھ کے ملک جا پہنچے۔ وہاں بھی خوب مال بیچا اور خریدا۔ اُس طرف کے سمندر میں عجیب عجیب چیزیں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ایک مچھلی نظر آئی جو گائے کی شکل کی تھی۔ ایک اور مچھلی کی صورت گدھے سے ملتی جلتی تھی۔ ایک چڑیا بھی دیکھی جو پانی پر انڈے دیتی ہے، پانی پر ہی اُنھیں سیتی ہے اور کبھی خشکی پر نہیں آتی۔

پھر ہم خدا کے حکم سے روانہ ہوئے۔ ہوا کا رخ ہمارے حق میں تھا۔ سفر بڑے آرام سے کٹا اور ہم بصرے پہنچ گئے۔ وہاں چند روز ٹھیر کر میں بغداد چلا آیا اور اپنے گھر گیا۔ گھر والے اور دوست مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ سچ یہ ہے کہ میں نے اُس سفر میں اتنا کمایا کہ جس کا کوئی حساب نہیں۔ میں نے لوگوں کو تحفے تحائف دیے، غریبوں کی مدد کی، دوستوں کو دعوتیں کھلائیں۔ خدا نے چاہا تو کل میں اپنے چوتھے سفر کا احوال سناؤں گا جو بہت عجیب ہے۔

یہ کہہ کر سندباد جہازی نے سندباد حمال کو سو اشرفیاں دیں۔ اِس کے بعد دسترخوان بچھایا گیا۔ دعوت کھانے والے آپس میں یہی باتیں کرتے رہے کہ کیسے حیران کر دینے والے واقعات سننے کو ملے ہیں۔ دعوت کے بعد سندباد حمال رخصت ہوا اور گھر جاتے ہوئے راستے بھر اُن باتوں کو دل میں دہراتا رہا جو سندباد جہازی کی زبانی سنی تھیں۔ اگلے دن صبح اٹھتے ہی، فجر کی نماز پڑھ کر، اُس نے سندباد جہازی کی حویلی کی راہ لی۔ باقی دوست بھی جمع ہو چکے تھے۔ کھانے پینے اور گپ لگانے سے فارغ ہوئے تو سندباد جہازی نے اپنے چوتھے سفر کی کہانی کا آغاز کیا۔

چوتھا سفر

دوستو، بغداد لوٹنے کے بعد میں آرام سے زندگی بسر کرنے لگا۔ میں نے کل بتایا تھا کہ سفر میں اتنا دولت مند ہو کر وطن پلٹا تھا کہ کوئی فکر باقی نہ رہی تھی۔ گھر والوں اور دوستوں کے ساتھ زندگی کے مزے لُوٹ رہا تھا۔ لیکن کچھ عرصے بعد وہی خواہش سفر کرنے، طرح طرح کے لوگوں سے ملنے اور مال بیچنے اور خریدنے کی دل میں جاگ اٹھی۔

چنانچہ میں پہلے سے بھی زیادہ مال اسباب لے کر بغداد سے بصرہ روانہ ہوا۔ وہاں ایک جہاز دیکھا جس پر بصرے کے بڑے بڑے لوگ سوار تھے۔ میں بھی اُن کے ساتھ ہو لیا۔ شروع میں ہمارا سفر بہت اچھا گزرا۔ ہم ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے تک سفر کرتے رہے۔ آخر خدا کا کرنا کیا ہوا کہ بیچ سمندر میں طوفانی ہوا چلنے لگی۔ ہمیں بچنے کی امید نہ رہی۔ جہاز پر جتنے لوگ تھے سب رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ اچانک اتنے زور کا جھکڑ آیا کہ بادبان پھٹ کر ایک طرف جا پڑے اور جہاز کے انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے۔ آن کی آن میں ہم سب، مال اسباب سمیت، سمندر میں غوطے کھانے لگے۔ اتفاق سے جہاز کا ایک تختہ میرے ہاتھ آ گیا۔ اُس پر میں اور چند دوسرے سوداگر سوار ہو گئے۔ ایک دن اور ایک رات ہم اُس تختے پر سوار رہے۔ طوفان تھم چکا تھا اور ہوا اور موجوں کے زور سے تختہ بہا چلا جاتا تھا۔ آخر وہ ایک جزیرے کے ساحل سے جا لگا۔ جاگتے رہنے، تھکن، سردی، خوف اور بھوک پیاس سے ہم بالکل ادھ موے ہو رہے تھے۔ جزیرہ خوب ہرا بھرا تھا۔ ہم نے پھل

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

توڑ کر کھائے کہ جسموں میں تھوڑی بہت طاقت آئے۔

رات ہم نے ساحل پر گزاری۔ دن نکلا اور اجالا پھیلا تو ہم جزیرے میں اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ دور ایک عمارت دکھائی دی۔ ہم سب اُس کی طرف چل پڑے۔ عمارت کے دروازے پر پہنچے ہی تھے کہ چند ننگے آدمی نکلے اور ہمیں پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے ہمیں بیٹھنے کو کہا۔ ہمارے لیے کھانا لایا گیا۔ اُس کھانے سے ہم بالکل ناواقف تھے۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا چیز ہمیں کھلائی جارہی ہے۔ مجھے گھن آئی اور دل کھانا کھانے کی طرف مائل نہ ہوا۔ میرے ساتھیوں نے، بھوک کے مارے، وہ سب کچھ کھا لیا جو اُن کے آگے لا کے رکھا گیا تھا۔ میرا نہ کھانا خدا کی مہربانی تھی۔ اسی وجہ سے میں آج بھی زندہ ہوں۔

کھانا کھاتے ہی میرے ساتھیوں کی عقل جاتی رہی اور وہ پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگے۔ اِس کے بعد وہاں کے لوگوں نے اُنھیں ناریل کا تیل پلایا اور وہی تیل اُن کے بدن پر مل دیا۔ تیل پیتے ہی میرے ساتھیوں کی آنکھیں بھینگی ہوگئیں اور جب اُن کے سامنے اور کھانا رکھا گیا تو وہ سارا چٹ کر گئے۔ مجھے اُن کی حالت دیکھ کر تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔ آخر مجھے پتا چلا کہ جن لوگوں سے ہمارا واسطہ پڑا ہے وہ آگ کی پوجا کرتے ہیں اور اُن کا بادشاہ کوئی بلا ہے۔ جو آدمی اُن کے ملک میں آتا ہے لوگ اُسے بادشاہ کے پاس لا کر یہی کھانا کھلاتے اور تیل پلاتے ہیں۔ اِس طرح وہ خوب موٹا تازہ ہو جاتا ہے۔ اِس کے بعد اُسے مار کر بادشاہ کو کھلا دیتے ہیں۔ بادشاہ کے ساتھی بھی آدم خور تھے۔ انسانوں کا گوشت پکاتے یا بھونتے نہیں تھے، کچا کھا جاتے تھے۔ اِس صورتِ حال پر میں بڑا پریشان ہوا۔ میرے ساتھی اپنی عقل کھو چکے تھے اور اُنھیں کچھ خبر نہ تھی کہ اُن کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ ایک شخص اُن پر نظر رکھتا تھا اور روزانہ اُنھیں ہانک کر اِدھر اُدھر لے جاتا تھا جہاں وہ جانوروں کی طرح گھاس اور پتے چرتے تھے۔

میں اُن کا دیا ہوا کھانا کھانے پر راضی نہ ہوا۔ بھوکا رہنے کی وجہ سے کمزور پڑ

گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے میرے جسم میں ہڈیوں کے سوا کچھ باقی نہیں۔ یہ حالت دیکھ کر اُنھوں نے میرا خیال رکھنا چھوڑ دیا۔ جب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ مجھ پر نظر نہیں رکھتے تو ایک دن چوری چھپے وہاں سے نکل بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے دور جا پہنچا تو مجھے ایک چرواہا سمندر کے پاس ایک اونچی چٹان پر بیٹھا نظر آیا۔ غور سے دیکھا تو وہی آدمی تھا جو میرے ساتھیوں کو چارا کھلانے لے جاتا تھا۔ میرے ساتھی وہاں گھاس چر رہے تھے۔ چرواہا مجھے دیکھ کر سمجھ گیا کہ میری عقل خراب نہیں ہوئی۔ اُس نے اشارے سے کہا کہ پیچھے لوٹ کر داہنی طرف مڑ جا۔ وہاں سے تُو ایک بڑی سڑک پر پہنچ جائے گا۔ میں نے اُس کے کہے پر عمل کیا اور داہنی طرف مڑ کر چلتا گیا یہاں تک کہ چرواہا میری نظر سے اوجھل ہوگیا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ اب وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا۔

شام ہوئی تو میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ گھاس پات کھا کر پیٹ بھرا۔ سونا چاہتا تھا مگر ڈر کے مارے نیند نہ آئی۔ صبح ہوتے ہی پھر آگے چل دیا۔ غرض کہ سات دن رات چلتا رہا۔ بھوک لگتی تو گھاس پات سے پیٹ بھر لیتا۔ آٹھویں دن مجھے دور چند آدمی نظر آئے۔ ڈرتے ڈرتے اُن کے پاس گیا۔ پتا چلا کہ وہ کالی مرچیں اکٹھی کر رہے ہیں۔ جیسے ہی اُنھوں نے مجھے دیکھا تو دوڑے دوڑے میرے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ، ''تو کون ہے اور کہاں سے آیا؟''

میں نے اپنا ماجرا اُنھیں سنایا۔ وہ کہنے لگے: ''یہ عجیب واقعہ ہے۔ اِن آدم خوروں سے کوئی جان نہیں بچا سکتا۔ وہ تو آدمیوں کو کچا کھا جاتے ہیں۔'' جب وہ کالی مرچیں جمع کر چکے تو میرے لیے عمدہ کھانا لائے۔ بہت دن بعد میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر وہ جہاز پر سوار ہوے اور ایک جزیرے پر پہنچے۔ وہی اُن کا وطن تھا۔ وہاں پہنچ کر اُنھوں نے مجھے اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ بھی میرا احوال سن کر حیران ہوا۔ مجھے کھانا کھلایا۔ جب سیر ہو کر کھا چکا تو مجھے مٹرگشت کی سوجھی۔ شہر میں گھوما پھرا۔ دیکھا کہ بڑی آباد جگہ ہے اور بازاروں میں ہر طرف چہل پہل ہے۔ میری ڈھارس بندھی کہ ایسی جگہ پہنچ گیا ہوں جہاں آرام سے زندگی گزاری جا سکتی ہے۔

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

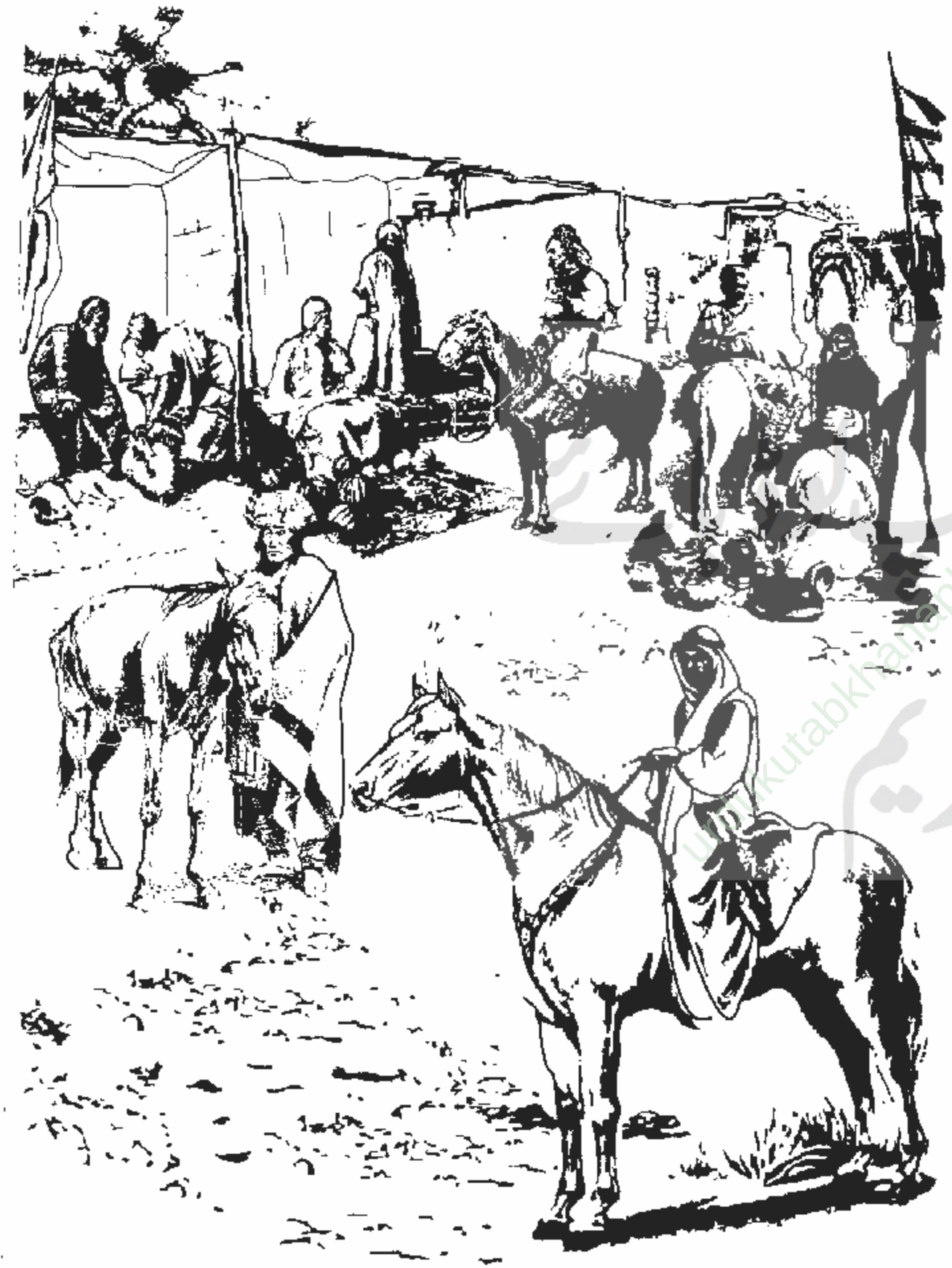

میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ، چھوٹے ہوں یا بڑے، نہایت عمدہ گھوڑوں پر سواری کرتے ہیں مگر زین نہیں رکھتے۔ میں نے بادشاہ کے سامنے اپنے تعجب کا اظہار کیا۔ بادشاہ نے کہا: ''زین کیا ہوتا ہے؟ ہم نے یہ لفظ آج تک نہیں سنا۔'' میں نے کہا کہ مجھے اچھی قسم کی لکڑی فراہم کی جائے۔ اس کے بعد میں نے ایک ماہر بڑھئی کو بلایا اور اُسے زین بنانا سکھایا۔ چمڑا منگا کر زین پر چڑھایا۔ ایک لوہار کو ڈھونڈا اور رکابیں بنانا سکھایا۔ جب سارا کام میری مرضی کے مطابق ہو گیا تو ایک گھوڑا لے کر زین اور رکابوں سے آراستہ کیا اور اُسے لگام دے کر بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ نے گھوڑے پر سواری کی تو اُسے بڑا مزہ آیا اور اُس نے مجھ پر انعامات کی بارش کر دی۔

جب وزیر نے زین اور رکابوں کی خوبیوں کو دیکھا تو مجھ سے زین اور رکابیں بنانے کے لیے کہا۔ میں نے اُس کی فرمائش پوری کر دی۔ اب تو ملک کے تمام بڑے لوگ اور عہدے دار زین اور رکابیں طلب کرنے لگے۔ چنانچہ میں بڑھئی اور لوہار کی مدد سے زین اور رکابیں بنا کر بیچنے لگا اور بہت امیر ہو گیا۔ شہر کے لوگ مجھے بڑا آدمی سمجھنے لگے۔ کیا امیر کیا غریب، سب میری عزت اور خاطر کرتے تھے۔

ایک دن میں بادشاہ کے دربار میں خوب بن ٹھن کر خوش خوش بیٹھا تھا کہ بادشاہ نے کہا: ''میری بات سن۔ اب تیرا شمار عزت دار لوگوں میں ہوتا ہے۔ تجھے ہم اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ تُو ہمیشہ ہمارے شہر میں رہے اور کہیں نہ جائے۔ اِس لیے تُو ایک کام کر۔ امید ہے کہ میری بات نہ ٹالے گا۔'' میں نے جواب دیا: ''بادشاہ سلامت، میں آپ کے کہے پر پوری طرح عمل کروں گا۔ آپ نے مجھ پر مہربانی کی ہے۔ اِس لیے مجھے آج یہ مقام حاصل ہے۔ میں خود کو بادشاہ کا نوکر سمجھتا ہوں۔'' بادشاہ نے کہا: ''میں چاہتا ہوں کہ تیری شادی یہاں کسی خوب صورت اور امیر لڑکی سے کر دوں تاکہ تُو یہاں سے جانے کا نام نہ لے۔'' بادشاہ کی بات سن کر میں شرم کے مارے سرخ ہو گیا اور مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ بادشاہ نے پوچھا: ''بیٹے، تو چپ کیوں ہے؟ جواب کیوں نہیں دیتا؟'' میں نے کہا: ''حضور، آپ کا حکم

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

سر آنکھوں پر۔"

بادشاہ نے فوراً قاضی اور گواہوں کو بلا کر میرا نکاح ایک شریف زادی سے کر دیا جو خوبصورت بھی تھی اور مال دار بھی اور بڑے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ ایک بڑی حویلی مجھے رہنے کو ملی۔ بہت سے نوکر چاکر میری خدمت میں حاضر ہو گئے۔ بادشاہ نے اچھی خاصی رقم میرے لیے مقرر کر دی جو ہر مہینے مجھے ملتی تھی۔ میں اپنی تمام مصیبتوں کو بھول کر ہنسی خوشی رہنے لگا۔ میری بیوی مجھے بہت چاہتی تھی اور میں بھی اُسے پسند کرتا تھا۔ سوچتا تھا کہ جب وطن جاؤں گا تو اُسے بھی ساتھ لے جاؤں گا۔ آدمی کچھ سوچتا ہے، خدا نے اُس کی تقدیر میں کچھ اور لکھا ہوتا ہے۔ آئندہ کا حال کسے پتا ہے۔

اپنے پڑوسی سے میری بڑی دوستی تھی۔ اتفاق سے ایک دن اُس کی بیوی فوت ہوگئی۔ میں افسوس کرنے اُس کے پاس گیا۔ دیکھا کہ اُس کی حالت بہت خراب ہے، جیسے مرنے ہی والا ہو۔ میں نے کہا: "بیوی کا اتنا غم نہ کر۔ خدا تیری عمر دراز کرے۔ ہو سکتا ہے کہ تجھے کوئی اور بہتر بیوی مل جائے۔" یہ سن کر وہ زور زور سے رونے لگا اور بولا: "اے دوست، میری زندگی کا اب ایک ہی دن باقی رہ گیا ہے۔ دوسری شادی میں کیسے کروں گا؟" اُس کی بات سن کر مجھے حیرت ہوئی اور میں نے کہا: "اے بھائی، بری بات منہ سے مت نکال۔ تو بالکل صحت مند ہے۔" اُس نے جواب دیا: "اے دوست، تیری جان کی قسم، کل تُو مجھے یہاں نہ پائے گا نہ آئندہ کبھی دیکھ سکے گا۔" میں نے حیرت سے پوچھا: "کیوں؟" اُس نے جواب میں کہا: "آج جب میری بیوی کو دفن کریں گے تو مجھے بھی اُس کے ساتھ زندہ دفن کر دیں گے۔ ہمارے شہر کا یہی دستور ہے۔ اگر بیوی مر جائے تو شوہر کو اُس کے ساتھ زندہ دفن کر دیتے ہیں اور شوہر مر جائے تو بیوی کو۔" میں نے کہا: "یہ بہت برا دستور ہے۔"

ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ شہر کے لوگ بڑی تعداد میں آ پہنچے۔ اُنھوں نے بیوی کو تابوت میں رکھا اور میرے پڑوسی کو بھی ساتھ لے چلے۔ شہر کے باہر پہنچ کر

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

سمندر کے قریب ایک پہاڑ کے دامن میں آئے۔ وہاں ایک بڑا پتھر پڑا تھا۔ اُسے ہٹایا گیا تو اُس کے نیچے کنویں کی شکل کا غار دکھائی دیا۔ لوگوں نے تابوت کو اُس میں ڈال دیا۔ میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ پہاڑ کے نیچے ایک اندھا کنواں ہے۔ پھر میرے پڑوسی کی باری آئی۔ اُسے رسّے سے باندھ کر غار میں اتار دیا۔ ایک مٹکا پانی اور سات روٹیاں بھی ساتھ کر دیں۔ پڑوسی نے نیچے پہنچ کر رسّا کھول دیا۔ لوگوں نے رسّا کھینچ کر اُس بڑے کنویں کا منہ بند کر دیا اور میرے دوست کو اُس اندھیرے غار میں چھوڑ کر شہر کو لوٹ گئے۔

میں نے دل میں کہا کہ: ''یہ موت تو دوسری موتوں سے بھی زیادہ کٹھن ہے۔'' اور تو کچھ نہ سوجھا۔ سیدھا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ''اے میرے آقا، آپ کے ملک کا یہ دستور نہایت ہی خراب ہے۔'' بادشاہ نے جواب دیا: ''یہ دستور پرانے وقتوں سے چلا آ رہا ہے۔ اِسے کسی صورت بدلا نہیں جا سکتا۔'' میں نے پوچھا: ''اگر میری بیوی مر جائے تو کیا مجھے بھی اُس کے ساتھ اندھے کنویں میں ڈال دیا جائے گا؟ میں ٹھیرا پردیسی۔ کیا میرے ساتھ رعایت نہ ہوگی؟'' بادشاہ نے سختی سے کہا: ''نہیں! اگر تیری بیوی مر گئی تو ضرور تجھے بھی اُس کے ساتھ کنویں میں ڈال دیا جائے گا۔''

اِن تمام باتوں سے مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر بیوی مر گئی تو میرا مرنا بھی یقینی ہے۔ میں نے دل کو تسلی دینی چاہی کہ ''کل کا حال کسے معلوم ہے۔ کیا پتا کون پہلے مرے کون بعد میں۔'' لیکن مجھے جس گھبراہٹ نے گھیر رکھا تھا وہ کسی طرح کم نہ ہوئی۔ قسمت کا کھیل دیکھیے کہ تھوڑی مدت بعد میری بیوی بیمار پڑی اور چند روز بعد فوت ہو گئی۔ شہر والے تعزیت کرنے میرے پاس آئے۔ خود بادشاہ نے بھی آ کر افسوس کیا۔ پھر میری بیوی کو نہلا کر بہترین کپڑے اور نہایت قیمتی زیور پہنائے گئے، لاش کو تابوت میں رکھا اور اُس پہاڑ کا رخ کیا جس کے پاس کنواں تھا۔ وہاں پتھر ہٹا کر تابوت کو کنویں میں ڈال دیا۔ میرے دوست اور سسرال والے

مجھ سے اِس طرح گلے ملے جیسے میں کسی لمبے سفر پر روانہ ہونے والا ہوں۔ میں نے بہتیری فریاد کی کہ، ''یارو، میں پردیسی ہوں۔ تمہارے دستور کو نہیں مانتا۔'' اُنھوں نے میرے چیخنے چلّانے کی ذرہ برابر پروا نہ کی اور سات روٹیاں اور مٹکے بھر پانی کے ساتھ رسّے کے ذریعے نیچے اتار دیا اور بڑے پتھر سے کنویں کا منہ بند کر کے چلتے بنے۔

میں نے غار میں بہت سی لاشیں پڑی دیکھیں جن سے سخت بدبو آ رہی تھی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: ''میرے ساتھ ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ ہر سفر میں مرنے سے بال بال بچتا رہا ہوں۔ اِس کے باوجود سفر کرنے سے باز نہیں آیا۔ اب سفر کرنے کی قیمت جان دے کر ادا کروں گا۔'' غار میں مجھے دن رات کا بالکل پتا نہ چلتا تھا۔ جب بھوک پیاس لگتی تو روٹی کے دو تین ٹکڑے کھا لیتا۔ پیاس لگتی تو ایک دو گھونٹ پانی پیتا۔ ڈرتا تھا کہ روٹیاں ختم نہ ہو جائیں، مٹکے میں بوند بھی باقی نہ رہے۔ لاحول پڑھ پڑھ کر کہتا: ''اِس شہر میں شادی کر کے میں تو عذاب میں پھنس گیا۔ کاش میں سمندر میں ڈوب گیا ہوتا یا پہاڑ سے گر کر مر جاتا۔ اِس خراب موت سے وہی بہتر رہتا۔''

اپنے آپ کو برا بھلا کہتے رہنے سے کیا حاصل تھا۔ آخر میں نے اٹھ کر غار کو دیکھنا بھالنا شروع کیا۔ پتا چلا کہ وہ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ہر طرف لاشوں اور گلی سڑی ہڈیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ میں نے لاشوں اور ہڈیوں سے ہٹ کر غار کے ایک الگ تھلگ کونے میں اپنے لیے جگہ بنائی اور وہیں جا کر سو رہتا۔ چند روز گزرے تو پتا چلا کہ روٹیاں ختم ہونے کو ہیں اور پانی بھی ذرا سا رہ گیا ہے اور مجھے بھوکا پیاسا مرنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہ سوچ کر میں اپنا سر پکڑے بیٹھا تھا کہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹایا گیا اور غار میں تھوڑی سی روشنی ہوئی۔ دیکھا تو ایک تابوت اتارا جا رہا تھا۔ اُس میں ایک مرد کی لاش تھی۔ اِس کے بعد ایک عورت کو، کھانا پینا دے کر، نیچے پہنچا دیا گیا۔ میں عورت کو دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی تھی کیونکہ اُس کی آنکھیں ابھی اندھیرے سے مانوس نہ ہوئی تھیں۔ جب لوگ کنویں کو پتھر سے بند کر

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کے چلے گئے تو میں نے ایک مردے کی بڑی سی ہڈی اٹھائی اور جا کر عورت کے سر پر کئی دفعہ ماری یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ اُس کے زیور اور جواہرات میں نے اتار لیے اور کھانا پینا لے کر اُس کونے میں جا بیٹھا جہاں میں سویا کرتا تھا۔

اِس کے بعد میں نے یہ طریقہ اپنا لیا۔ جب کسی مرد یا عورت کے دفنانے کی نوبت آتی تو میں اُس کے زندہ ساتھی کو مار ڈالتا۔ اِس طرح میرے پاس تھوڑا بہت کھانے پینے کو ضرور موجود ہوتا۔ میں بڑی احتیاط سے کام لیتا۔ ہمیشہ ذرا ذرا سا کھاتا اور ایک وقت میں گھونٹ بھر سے زیادہ پانی نہ پیتا۔ خدا جانے اِس حالت میں کتنے دن گزر گئے۔ ایک دفعہ میں سونے کے لیے لیٹا ہی تھا کہ مجھے کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ شور کس وجہ سے ہے۔ میں اٹھا اور ایک مردے کی ہڈی لے کر اُس طرف بڑھا جدھر کھڑبڑ ہوئی تھی۔ تھوڑی دور چل کر ایک وحشی جانور نظر آیا جو مجھے آتا دیکھ کر بھاگا۔ میں نے اُس کا پیچھا کیا۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر ایک کونے میں کوئی چیز تارے کی طرح چمکتی نظر آئی۔ میں اُدھر بڑھتا گیا تو اجالا سا محسوس ہوا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ غار میں کوئی سوراخ ہے جو باہر کی طرف نکلتا ہے۔ اور آگے جا کر پتا چلا کہ جانوروں نے یہاں پہاڑی میں سرنگ لگائی ہوئی ہے جس کے راستے وہ اندر آتے ہیں اور پیٹ بھرنے کے بعد باہر نکل جاتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتے ہی میری جان میں جان آ گئی۔ سوچا کہ اب میں غار میں پڑے پڑے مرجانے سے بچ جاؤں گا۔ رینگ رینگ کر اُس سرنگ سے باہر نکلا تو اپنے آپ کو بڑے پہاڑ پر پایا جس کے ایک طرف سمندر تھا اور دوسری طرف شہر اور باقی جزیرہ۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں کوئی آدمی نہ پہنچ سکتا تھا۔ میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

سرنگ کے راستے میں غار میں گیا، مُردوں کے اچھے اچھے کپڑے لیے، کچھ پہنے اور باقی جن میں طرح طرح کے جواہرات، موتیوں کی لڑیاں، سونے چاندی کے زیور جن میں ہیرے جڑے تھے، باندھے اور اُن گٹھریوں کو سرنگ کے دہانے پر لا رکھا۔ اب میں روز سرنگ سے نکل کر اِس امید پر باہر آ بیٹھتا کہ شاید کوئی جہاز اِدھر سے

گزرے اور مجھے اِس غار سے، جو قیدخانے سے کم نہ تھا، نجات ملے۔ رات کو غار میں جا کر سو جاتا اور جو زندہ مرد یا عورت غار میں آ جاتی اُسے مار ڈالتا تاکہ کھانے پینے کی کمی نہ ہو۔

ایک روز میں سمندر کے کنارے بیٹھا اپنی حالت پر غور کر رہا تھا کہ سمندر میں ایک جہاز نظر آیا۔ میں نے مُردوں کے کپڑوں میں سے ایک سفید چادر نکالی اور اُسے لہراتا ہوا اِدھر سے اُدھر دوڑنے لگا۔ خوش قسمتی سے جہاز والوں نے سفید چادر کی وجہ سے مجھے دیکھ لیا۔ جہاز سے ایک کشتی اتاری گئی۔ اُسے کھیتے ہوئے چند آدمی مجھ تک پہنچے اور پوچھنے لگے کہ، ''تُو کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟ اِس پہاڑ پر کیسے پہنچا؟ ہم نے کبھی کسی کو یہاں نہیں دیکھا۔'' میں نے کہا: ''میں سوداگر ہوں۔ جس جہاز پر میں سوار تھا وہ طوفان میں پھنس کر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ایک تختہ میرے ہاتھ لگا۔ اِس پر اپنے بچے کھچے مال سمیت یہاں آ پہنچا۔''

اُنھوں نے مجھے اِس تمام مال سمیت، جو میں نے غار میں سے سمیٹا تھا، کشتی میں بٹھا لیا اور جہاز پر جا کر کپتان کے سامنے لا کھڑا کیا۔ کپتان نے کہا: ''اے شخص، تُو اِس جگہ کیسے پہنچا؟ یہ بہت بڑا پہاڑ ہے جس کے پیچھے ایک بھرا پُرا شہر آباد ہے۔ میں عمر بھر اِس سمندر میں سفر کرتا رہا ہوں اور اِس پہاڑ کے پاس سے بار بار گزرا ہوں لیکن یہاں جنگلی جانوروں اور پرندوں کے سوا کسی کو نہیں دیکھا۔'' میں نے وہی کہانی دہرا دی جو کشتی کھینے والوں کو سنائی تھی۔ شہر اور غار کا ذکر بالکل نہ کیا۔ ڈر تھا کہ جہاز پر شہر کا کوئی رہنے والا نہ ہو۔ اپنے مال میں سے بہت سے زیور اور ہیرے نکال کر جہاز کے کپتان کو دینے چاہے۔ وہ لینے پر راضی نہ ہوا اور بولا: ''ہم کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے۔ جب سمندر کے کنارے یا کسی جزیرے پر کسی بھولے بھٹکے کو دیکھتے ہیں تو اُسے جہاز پر لے آتے ہیں۔ اگر اُس کے پاس کچھ نہ ہو تو اپنے پاس سے اُسے روپیہ پیسہ دیتے ہیں۔ محض خدا کے لیے یہ بھلائی کرتے ہیں۔'' یہ سن کر میں نے اُسے ڈھیروں دعائیں دیں۔

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہم جزیرے جزیرے سفر کرتے رہے۔ میں اپنی سلامتی پر خوش تھا۔ جب مجھے غار میں مردوں کے درمیان گزارے ہوئے دن یاد آتے تو کپکپی طاری ہو جاتی۔ خدا خدا کر کے ہم حفاظت سے بصرہ پہنچے۔ وہاں سے میں نے بغداد کی راہ لی اور گھر آ کر گھر والوں اور دوستوں سے ملا۔ اُنھوں نے سفر سے صحیح سلامت لوٹنے پر مجھے مبارک باد دی۔ جو مال میرے پاس تھا وہ میں نے گوداموں میں رکھوایا، تحفے دیے، خیرات کی، یتیموں اور غریبوں کو کپڑے بنوا دیے اور دوبارہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔

تو دوستو، یہ تھا میرے چوتھے سفر کا احوال۔ سندباد حمال، اب تُو میرے ساتھ کھانا کھا اور سو اشرفیاں لے جو تجھے روز ملتی ہیں۔ کل میں اپنے پانچویں سفر کی کہانی سناؤں گا۔

دسترخوان بچھایا گیا اور سب مہمانوں نے سامنے چُنی ہوئی نعمتوں کا مزہ لیا اور کھا پی کر رخصت ہوئے۔ سندباد حمال بھی حیرت میں ڈوبا ہوا گھر لوٹا۔ صبح ہوتے ہی اُس نے، فجر کی نماز ادا کر کے، سندباد جہازی کی حویلی کی راہ لی۔ سندباد جہازی نے اُسے خوش آمدید کہا۔ جب دوست احباب جمع ہو گئے تو دسترخوان بچھا، کھانے چن دیے گئے، خوب گپ شپ ہوئی۔ اِس کے بعد سندباد جہازی اپنے پانچویں سفر کی کہانی بیان کرنے لگا۔

پانچواں سفر

جب میں چوتھے سفر سے لوٹا تو کھیل کود، ہنسی مذاق میں زندگی بسر کرنے لگا۔ اپنی کمائی اور نفع پر اتنا خوش تھا کہ جو تکلیفیں میں نے اٹھائی تھیں وہ یاد نہ رہیں۔ لیکن کب تک گھر بیٹھا رہتا۔ مجھے سفر کرنے کا چسکا پڑ گیا تھا۔ پھر دل نے اکسایا کہ دنیا کی سیر کو نکلوں۔ میں نے پکا ارادہ کر لیا۔ تجارت کے لیے عمدہ عمدہ چیزیں خریدیں اور بصرے کا رخ کیا۔ وہاں سمندر کے کنارے مجھے ایک نیا بنا ہوا خوش نما اور شان دار جہاز نظر آیا۔ میں نے اُسے خرید لیا۔ کپتان اور ملاح ملازم رکھے۔ اِس کے بعد دوسرے سوداگر بھی میرے پاس آئے۔ اُنھوں نے کرایہ دے کر اپنا سامان جہاز پر لادا۔ ہم خوشی خوشی بصرہ سے روانہ ہوئے۔

ہم جزیرے جزیرے اور سمندر سمندر سفر کرتے اور جہاں تجارت کا موقع ملتا وہاں رک کر اپنا مال بیچتے، نیا مال خریدتے۔ اسی طرح چلتے چلاتے ہمارا گزر ایک جزیرے سے ہوا۔ جزیرہ تو خاصا بڑا تھا مگر غیر آباد معلوم ہوتا تھا۔ جہاز پر سوار سوداگر جزیرے کی سیر کو نکل کھڑے ہوئے۔ اُنھیں ایک سفید گنبد نما چیز ملی۔ وہ رخ کا انڈا تھا۔ سوداگروں کو پتا نہ تھا کہ وہ کیا ہے۔ اُنھوں نے پتھر مار مار کر اُسے توڑ ڈالا۔ ٹوٹتے ہی اُس میں سے ڈھیروں پانی نکلا اور رخ کا بچہ دکھائی دیا۔ بچے کو اُنھوں نے کھینچ کر انڈے سے نکالا اور لگے اُس کی تکا بوٹی کرنے۔

میں جہاز پر تھا۔ مجھے اُن کی اِس حرکت کی بالکل خبر نہ تھی۔ اتنے میں میرے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ایک ساتھی نے کہا: ''ارے میرے آقا، چل کر اُس انڈے کا تماشا دیکھ جو گنبد جیسا ہے۔'' میں نے جا کر دیکھا تو انڈا ٹوٹا پڑا تھا اور سوداگر رخ کے بچے کو کاٹ چکے تھے۔ میں نے کہا: ''تم نے کیا غضب کیا! رخ آ کر ہمارا جہاز تباہ کر دے گا اور ہم سب مارے جائیں گے۔'' اُنھوں نے میری ایک نہ سنی اور بوٹیاں بنانے میں مصروف ہو گئے۔

اچانک دھوپ غائب ہو گئی اور اندھیرا چھانے لگا۔ ہم نے سر اٹھا کر دیکھنا چاہا کہ ہمارے اور سورج کے درمیان کیا چیز آ گئی ہے۔ پتا چلا کہ رخ آ پہنچا ہے اور اندھیرا اُس کے بڑے بڑے پروں کی وجہ سے ہوا ہے۔ رخ نے دیکھا کہ اُس کا انڈا ٹوٹا پڑا ہے تو بڑے زور سے چیخا۔ اتنی دیر میں اُس کی مادہ بھی آ گئی اور دونوں جہاز کے گرد منڈلانے اور چنگھاڑنے لگے۔ میں نے چلّا کر کپتان اور ملاحوں سے کہا: ''فوراً جہاز یہاں سے نکالو ورنہ یہ ہماری زندگی کا آخری دن ثابت ہوگا۔'' کپتان نے جلدی سے لنگر اٹھایا اور ہم جزیرے سے دور ہوتے گئے۔ رخوں نے ہمیں روانہ ہوتے دیکھا تو غائب ہو گئے۔

ہماری کوشش یہ تھی کہ جلد از جلد بہت دور نکل جائیں۔ خیال تھا کہ ہم خطرے سے بچ گئے ہیں۔ لیکن رخ پیچھا کرتے کرتے ہمارے سر پر آ موجود ہوئے۔ اُنھوں نے پنجوں میں اتنے بڑے بڑے پتھر اٹھا رکھے تھے کہ ہمارے ہوش اُڑ گئے۔ پہلے نر نے پتھر گرایا۔ کپتان نے جلدی سے جہاز کو موڑا اور ہم پتھر سے بال بال بچے۔ پتھر گرنے سے سمندر کی تہہ نظر آنے لگی اور جہاز اوپر اچھل گیا۔ اِس کے بعد مادہ نے پتھر گرایا۔ وہ جہاز کے پچھلے حصے میں لگا۔ جہاز الٹ کر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ میں غوطے کھا رہا تھا کہ جہاز کا ایک تختہ ہاتھ آ گیا۔ اُس پر چڑھ بیٹھا۔ ہوا کا زور اور لہروں کا اتار چڑھاؤ تختے کو بہالے گیا اور وہ ایک جزیرے سے جا لگا۔ تھکن، تکلیف اور بھوک پیاس سے میری حالت مردوں کی سی ہو رہی تھی۔ بڑی دیر ساحل پر چت پڑا رہا۔ جب ذرا اوسان بحال ہوئے تو اٹھا اور اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ جزیرہ جنت کے باغوں میں سے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ایک باغ معلوم ہوا۔ ندیاں بہہ رہی تھیں، ہرے بھرے درخت پھلوں سے لدے کھڑے تھے۔ ہرطرف رنگ برنگے پھول کھلے تھے۔ میں نے اتنے میوے کھائے کہ پیٹ بھر گیا۔ ندیوں سے اتنا میٹھا پانی پیا کہ تازہ دم ہو گیا۔ آخر رات ہو گئی۔ میں بالکل اکیلا تھا۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ڈرتا تھا کہ کسی آفت سے واسطہ نہ پڑ جائے۔

اسی عالم میں نیند آ گئی۔ صبح ہوئی تو پھر سیر کو نکل پڑا۔ دیکھا کہ ایک ندی کے پاس حوض ہے اور حوض کے کنارے ایک بوڑھا بیٹھا ہے جس نے اپنے جسم کو پتوں سے ڈھانپ رکھا ہے۔ میں نے دل میں کہا: ''ہو نہ ہو اِس بوڑھے آدمی کا جہاز بھی ڈوب گیا ہے۔ یہ بھی میری طرح بچ کر اِس جزیرے پر آ گیا۔'' میں نے اُس کے پاس جا کر سلام کیا۔ اُس نے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ منہ سے کچھ نہ بولا۔ میں نے پوچھا: ''بڑے میاں، یہاں کیوں بیٹھے ہو؟'' اُس نے سر ہلایا، افسوس کا اظہار کیا اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ مجھے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر دوسرے حوض کے پاس لے چلو۔ میں نے سوچا کہ ''بیچارے کے ساتھ بھلائی ضرور کرنی چاہیے۔ مجھے ثواب ہوگا۔'' میں نے بڑھ کر اُسے کندھوں پر بٹھا لیا اور جدھر وہ جانا چاہتا تھا اُدھر لے گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے کہا: ''لو، بڑے میاں، اترو۔ تم یہیں آنے کا اشارہ کر رہے تھے۔'' لیکن وہ میرے کندھوں سے نہ اترا بلکہ میری گردن کو اپنی ٹانگوں میں کس لیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کی ٹانگیں ایسی کالی اور کھردری ہیں جیسی بھینس کی ہوتی ہیں۔ میں ڈر گیا اور چاہا کہ اُسے نیچے گرا دوں۔ اُس نے میری گردن پر پاؤں جما لیے اور اِس زور سے گلا دبایا کہ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اُس نے پنڈلیاں اٹھا کر، جو پتھر کی طرح سخت تھیں، میری پیٹھ پر مارنی شروع کر دیں۔ مجھے اتنی تکلیف ہوئی کہ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسی طرح مجھ پر سوار رہا اور اشارے سے اُن درختوں کی طرف جانے کو کہا جو پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ غرض اُس نے اترنے کا نام ہی نہ لیا۔ اور جب میں اُس کا کہنا نہ مانتا تو ٹانگوں

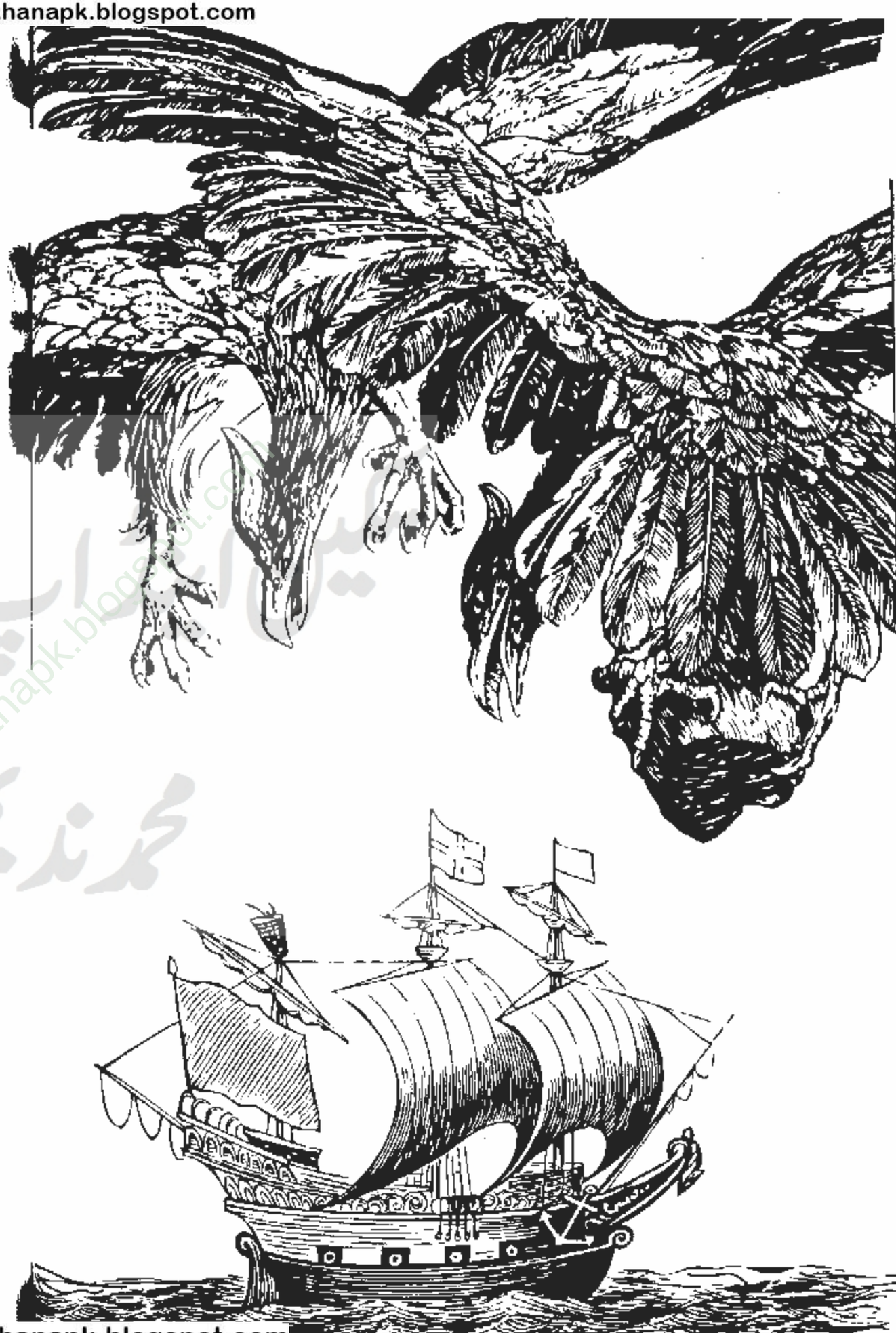

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

سے مجھے مارتا۔ ایسا لگتا جیسے کوئی مجھ پر کوڑے برسا رہا ہو۔

میری حالت کسی قیدی کی سی ہوگئی۔ وہ ہر وقت مجھے اِدھر سے اُدھر چلاتا رہتا۔ جب نیند آتی تو اپنے پاؤں میری گردن میں لپیٹ کر سو رہتا۔ بوڑھا کیا تھا عذاب تھا۔ میں دل میں کہتا: ''میں نے تو اپنے خیال میں اُس کے ساتھ بھلائی کی تھی لیکن بھلائی برائی میں بدل گئی۔ اب میں عمر بھر کسی کے ساتھ بھلائی نہ کروں گا۔'' میں خدا سے دعا مانگنے لگا کہ مجھے موت آ جائے۔ اِس منحوس بوڑھے سے تو نجات ملے گی۔

ایک دن میں جزیرے میں ایسی جگہ جا پہنچا جہاں بہت سے توتنے پڑے تھے۔ اُن میں کچھ خشک بھی تھے۔ میں نے ایک بڑا سا سوکھا ہوا توتنا اٹھایا۔ اُس کا اوپر کا حصہ الگ کر کے صاف کیا۔ انگور کی ایک بیل کے پاس جا کر اُس میں انگور بھرے اور منہ بند کر کے دھوپ میں رکھ دیا۔ تھوڑے دن میں خالص انگوری شراب تیار ہوگئی۔ میں روز تھوڑی سی پی لیتا تاکہ چستی آئے اور تکلیف کا احساس کم ہو جائے۔ بوڑھے نے مجھ سے اشارے سے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا: ''یہ بڑے کام کی چیز ہے۔ اِس سے چستی آتی ہے اور پریشانی دور ہو جاتی ہے۔'' یہ کہہ کر میں ناچنے، تالیاں بجانے اور گانے لگا۔ بڑے میاں کا دل للچایا۔ اُس نے توتنا مجھ سے لیا اور اُس میں جتنی شراب تھی ساری غٹ غٹ پی گیا۔ نشے میں آ کر وہ جھومنے لگا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ جب میں نے دیکھا کہ اُس پر نشہ چڑھ گیا ہے تو اُسے نیچے گرا دیا۔ آزاد ہوتے ہی میں نے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر لایا۔ وہ نشے میں غین زمین پر پڑا تھا۔ میں نے پتھر اُس کے سر پر دے مارا ور اُسے ہلاک کر ڈالا۔

بہت دن تک میں اُس جزیرے پر رہا، پھل کھاتا، چشموں سے ٹھنڈا پانی پیتا اور اِس انتظار میں رہتا کہ کوئی جہاز آئے تو مجھے چھٹکارا ملے اور میں صحیح سلامت وطن پہنچ کر گھر والوں اور دوستوں سے ملوں۔ آخر قسمت نے ساتھ دیا۔ ایک روز سمندر میں ایک جہاز آتا دکھائی دیا۔ اُس نے جزیرے کے ساحل پر لنگر ڈالا اور جہاز پر سے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

لوگ اتر کر اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگے۔ میں دوڑا ہوا اُن کے پاس گیا۔ سب لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ تُو یہاں کیسے آیا۔ میں نے سارا ماجرا سنایا۔ اس پر اُنھیں سخت تعجب ہوا اور کہنے لگے: ''جو شخص تیرے کندھوں پر سوار ہوا تھا وہ شیخ البحر (سمندری بابا) کے نام سے مشہور تھا۔ جس آدمی پر سوار ہو جاتا اُسے مار کر ہی چھوڑتا۔ تُو نے کمال کیا کہ اُس کا کام تمام کر دیا۔''

اِس کے بعد اُنھوں نے مجھے کھانا کھلایا اور نئے کپڑے دیے۔ میں نے پھٹے پرانے کپڑے اتار پھینکے اور نئے پہن لیے۔ وہ مجھے جہاز پر لے گئے۔ دن رات سفر کرتے کرتے ایک شہر میں پہنچے جہاں بالکل سمندر کے کنارے اونچے اونچے مکان تھے۔ ''بندروں والا شہر'' اُس کا نام تھا۔ جب رات ہوتی تو تمام باشندے کشتیوں میں سوار ہو کر سمندر میں نکل جاتے۔ اُنھیں بندروں سے ڈر لگتا تھا جو رات کے وقت شہر پر دھاوا بول دیتے تھے۔ اِدھر میں شہر میں سیر کو نکلا اُدھر جہاز روانہ ہو گیا۔ مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ اسی پریشانی کے عالم میں سر جھکائے بیٹھا تھا کہ شہر کا ایک آدمی میرے پاس آیا اور بولا: ''اے میرے آقا، معلوم ہوتا ہے تُو اِس شہر میں نیا آیا ہے۔'' میں نے جواب دیا: ''ہاں، میں پردیسی ہوں۔ میں ایک جہاز پر یہاں آیا تھا۔ جہاز والے مجھے بتائے بغیر روانہ ہو گئے۔ میں یہاں رہ گیا۔'' اُس آدمی نے کہا: ''اٹھ اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ اگر رات کے وقت شہر میں رہا تو بندر تجھے مار ڈالیں گے۔'' میں نے اُس کے کہنے پر عمل کیا۔ وہ کشتی کو کھے کر کنارے سے ایک میل دور لے گئے۔ رات ہم نے وہاں گزاری۔

جب صبح کی روشنی پھیلی تو واپس آ گئے اور کشتی سے اتر کر اپنے کام میں مصروف ہوئے۔ ہر رات اُن کا یہی دستور تھا۔ اگر رات کے وقت کوئی شہر میں رہ جاتا تھا تو بندر اُسے مار ڈالتے تھے۔ دن کے وقت بندر شہر سے نکل کر باغوں میں پھل کھانے چلے جاتے تھے۔ جہاں میں تھا وہ کالے لوگوں کا آخری ملک تھا۔ اب ایک اور عجیب بات سنیے۔ جن لوگوں کے ساتھ میں نے کشتی میں رات گزاری تھی اُن میں سے ایک

شخص نے آ کر مجھ سے پوچھا: ''تجھے کوئی پیشہ بھی آتا ہے جو تُو کر سکے؟'' میں نے کہا: ''میرے بھائی، مجھے کوئی پیشہ نہیں آتا نہ کوئی چیز بنانا جانتا ہوں۔ میں سوداگر ہوں۔ میرے پاس جہاز بھی تھا اور بہت سامال بھی۔ بدقسمتی سے جہاز سمندر میں ڈوب گیا۔ خدا کے حکم سے میری جان بچ گئی۔''

یہ سن کر وہ شخص اٹھا اور کپڑے کا تھیلا لے آیا۔ مجھ سے کہا: ''اِس میں کنکر پتھر بھر لے اور شہر والوں کے ساتھ باہر جا۔ اُن سے کہہ دوں گا کہ تیرا خیال رکھیں۔ باہر جا کر جو کام وہ کریں گے وہی تجھے بھی کرنا ہوگا۔ اِس طرح تیرے پاس اتنی رقم جمع ہو جائے گی کہ اپنے وطن جا سکے۔'' چنانچہ میں نے تھیلے میں کنکر پتھر بھر لیے۔ ایک ٹولی شہر سے باہر جا رہی تھی۔ میرے مہربان نے اُس ٹولی سے کہا: ''یہ پردیسی ہے۔ اِسے پھل جمع کرنا سکھا دو تاکہ روزی کما سکے۔ یہ ثواب کا کام ہے۔'' میں اُن لوگوں کے ساتھ ہو لیا۔ ہر ایک کے پاس ویسا ہی کنکروں پتھروں سے بھرا تھیلا تھا جیسا میرے پاس تھا۔ چلتے چلتے ہم ایک لمبی چوڑی گھاٹی میں پہنچے جہاں بہت اونچے اونچے درخت تھے۔ اُن پر کوئی نہ چڑھ سکتا تھا۔ وہاں پر ہر طرف بندر ہی بندر تھے۔ ہمیں آتا دیکھ کر بندر درختوں پر جا چڑھے۔ لوگ تھیلیوں سے کنکر نکال کر بندروں کو مارنے لگے۔ جواب میں بندر درختوں سے پھل توڑ کر لوگوں پر برسانے لگے۔ میں نے پھلوں کو دیکھا تو وہ ناریل تھے۔ ناریل جمع کرنے کی ترکیب سمجھ کر میں نے ایک بہت بڑا درخت ڈھونڈا جس پر بندروں کا جمگھٹا تھا۔ میں نے اُن پر پتھر اور اُنھوں نے میری طرف ناریل پھینکے۔ یوں میں نے پورا تھیلا ناریلوں سے بھر لیا۔

ناریل جمع کر کے ہم شہر لوٹے۔ میں اپنے دوست کے پاس گیا جس نے مجھے اُس ٹولی کے ساتھ جانے کو کہا تھا۔ میں نے ناریل اُسے دیے اور شکریہ ادا کیا۔ اُس نے کہا: ''یہ ناریل تیرے ہیں۔ اِنہیں بیچ کر روپے جمع کرتا جا۔'' اُس نے اپنے مکان کی ایک کوٹھری کی چابی مجھے دی اور بولا: ''جو ناریل نہ بکیں اُنھیں اِس کوٹھری میں رکھا کر۔ روز اسی طرح ناریل جمع کرتا رہ۔ یقین ہے تیرے پاس اتنا روپیہ اکٹھا

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہو جائے گا کہ تُو اپنے وطن واپس جا سکے۔'' میں نے ایسا ہی کیا۔ روز لوگوں کے ساتھ ناریل بٹورنے نکل جاتا۔ لوگ میرے ساتھ اچھا سلوک کرتے اور ایسے درخت کی طرف بھیجتے جس پر اچھے اچھے ناریل لگے ہوتے۔ رفتہ رفتہ میرے پاس بہت سے ناریل جمع ہو گئے۔ اُن میں سے تھوڑے بہت بیچ کر میں نے اُس شہر میں بننے والی خاص چیزیں خرید لیں۔ اُس کام میں مجھے لطف آنے لگا۔ شہر کے تمام لوگ بھی مجھ سے بڑی مہربانی سے پیش آتے۔

ایک دفعہ میں سمندر کے کنارے کھڑا تھا کہ ایک جہاز آ کر لنگرانداز ہوا۔ اُس میں سوداگر تھے۔ وہ شہر آ کر اپنا مال بیچنے اور ناریل خریدنے لگے۔ یہ دیکھ کر میں اپنے دوست کے پاس گیا، جہاز آنے کی خبر دی اور کہا کہ وطن واپس جانا چاہتا ہوں۔ وہ بولا: ''جو تیری مرضی۔'' میں نے اُس کا بہت شکریہ ادا کیا، جہاز پر آ کر کپتان سے ملا۔ کرایہ طے ہوگیا تو جو ناریل میرے پاس باقی تھے اُنھیں اٹھوا کر لے آیا۔ ایک دو دن بعد جہاز روانہ ہوگیا۔ ہم جس جزیرے پر پہنچتے وہاں ناریل بیچ کر بدلے میں کوئی چیز خرید لیتا۔ خدا کے فضل سے میں نے اِس طرح اُس سے چار گُنا زیادہ کمایا جتنا میرے پاس تھا اور جو سمندر میں ڈوب گیا تھا۔ سفر کرتے کرتے ہم ایک جزیرے پر پہنچے جہاں لونگ اور کالی مرچ پیدا ہوتی تھی۔ میں نے ناریلوں کے بدلے لونگیں اور کالی مرچیں خرید لیں۔ ہمارا ایک جگہ گزر ہوا جہاں سمندر سے موتی نکالے جاتے تھے۔ میں نے غوطہ لگانے والوں کو تھوڑے سے ناریل دے کر کہا: ''میری خاطر غوطہ لگاؤ۔'' اُنھوں نے غوطہ لگایا اور بہت سے بڑے بڑے اور قیمتی موتی نکال لائے اور کہنے لگے: ''اے میرے آقا، واللہ تیری قسمت اچھی ہے۔'' میں نے موتی لے کر اپنے سامان میں رکھ لیے۔

چلتے چلتے ہم بصرہ جا پہنچے۔ وہاں میں نے دو تین دن قیام کیا۔ پھر بغداد روانہ ہوگیا اور اپنے محلّے پہنچ کر گھر آیا۔ گھر والوں نے میرے صحیح سلامت لوٹنے پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ میں نے اپنا مال اسباب گوداموں میں رکھوایا، خیرات کی، یتیموں

اور غریبوں کو نئے کپڑے بنوا کر دیے، اہلِ خانہ اور دوستوں کو تحفوں سے نوازا۔ چونکہ اِس سفر میں مجھے بہت زیادہ منافع ہوا تھا میں نہایت خوش تھا اور تمام مصیبتوں کو بھول بھال کر مزے سے رہنے لگا اور دوستوں کے ساتھ دن رات محفل جماتا۔ یہ تھی میرے پانچویں سفر کی حیرت ناک کہانی۔

اِس کے بعد دسترخوان بچھا، کھانے لا کر رکھے گئے۔ جب لوگ سیر ہو کر کھا چکے تو روز کی طرح سندباد حمال کو سو اشرفیاں ملیں۔ وہ اشرفیاں لے کر رخصت ہوا اور راستے بھر سندباد جہازی کے ساتھ پیش آنے والے ہوش ربا واقعات پر غور کرتا رہا۔ صبح ہوئی تو سندباد حمال، فجر کی نماز پڑھ کر، سندباد جہازی کی حویلی کی طرف چل دیا۔ سندباد جہازی نے اُس کی آؤ بھگت کی۔ جب تمام یاردوست جمع ہو گئے تو دعوت کا اہتمام ہوا۔ کھانے پینے سے فارغ ہو گئے تو سندباد جہازی نے اپنے چھٹے سفر کا ماجرا سنانا شروع کیا۔

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

چھٹا سفر

میں پانچویں سفر سے واپس آنے کے بعد آرام سے رہنے سہنے لگا اور طے کر لیا کہ آئندہ کبھی سفر نہیں کروں گا۔ آدمی کچھ سوچتا ہے، خدا کو کچھ اور منظور ہوتا ہے۔ ایک روز میں مزے سے بیٹھا دوستوں سے گپ شپ لڑ ارہا تھا کہ میرے جاننے والے چند سوداگر ملنے آگئے۔ اُن کی بات چیت سے ظاہر ہوا کہ وہ جلد ہی سفر پر روانہ ہونے والے ہیں۔ بس پھر کیا تھا، مجھ پر یہی جنون سوار ہوگیا کہ سفر پر نکلا جائے اور تجارت کر کے خوب نفع کمایا جائے۔ سیر مفت میں کروں گا۔

یہ سوچ کر میں نے سفر کے لیے عمدہ عمدہ سامان خریدا اور بصرہ روانہ ہوگیا۔ وہاں ایک جہاز تیار کھڑا تھا۔ اُس میں بہت سے امیر سوداگر اور بڑے بڑے لوگ اپنا مال اسباب لیے سوار تھے۔ میں نے بھی اسی جہاز پر سفر کرنا مناسب سمجھا۔ سفر کا آغاز ہوا اور ہم جگہ جگہ اور شہر شہر مال بیچتے اور خریدتے رہے۔ ہمیں بڑا نفع ہوا اور ہمارے وارے نیارے ہوگئے۔

ایک روز، سفر کے دوران میں، کپتان نے یکایک شور مچا دیا، اپنی پگڑی اتار پھینکی، بال نوچنے اور سر پیٹنے لگا اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ تمام سوداگر اور مسافر اُس کے گرد اکٹھے ہوگئے اور پوچھنے لگے کہ، ''کپتان صاحب، خیر تو ہے؟'' کپتان نے کہا: ''ہمارا جہاز بھٹک کر ایسے سمندر میں جا نکلا ہے جس کے راستوں سے میں واقف نہیں۔ خدا سے دعا مانگو کہ کسی طرح ہمیں بچا لے۔'' دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر شدید

ہوا چلی کہ جہاز کا پتوار ٹوٹ گیا اور خود جہاز لوٹنے پوٹنے لگا۔ یہ واقعہ ایک اونچے پہاڑ کے پاس پیش آیا۔ جہاز میں سوار سب لوگ رو پیٹ کر ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے کیونکہ بچنے کی امید باقی نہ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ہوا کے زور سے جہاز پہاڑ سے جا ٹکرایا۔ جہاز کے پرخچے اُڑ گئے۔ بعض مسافر ڈوب گئے۔ چند ایک پہاڑ پر چڑھ کر مرنے سے بچے۔

میں بھی اُن لوگوں میں شامل تھا جو پہاڑ پر چڑھ گئے تھے۔ دیکھا کہ ایک بہت بڑا جزیرہ ہے جس کے کنارے بیسیوں جہاز ٹوٹے پڑے ہیں۔ ڈوب جانے والوں کا سامان بھی اِدھر اُدھر بکھرا ہوا تھا۔ نہ جانے سمندر کی موجوں نے ساحل پر کیا کیا لا پھینکا تھا۔ میں پہاڑ کے سب سے اونچے حصے پر چلا گیا۔ دیکھا کہ بیچ میں ایک ندی ہے جو پہاڑ سے نکل کر بہتی بہتی دوسری طرف واقع پہاڑ کی جانب چلی گئی ہے۔ جہاز پر سوار لوگوں میں سے جو زندہ بچے تھے وہ پہاڑ پر چڑھ کر جزیرے میں تتر بتر ہو گئے۔ اُن قیمتی چیزوں کو دیکھ کر جن سے ساحل اٹا پڑا تھا میرے ساتھیوں کے ہوش جاتے رہے۔ اُدھر میں نے غور سے دیکھا تو ندی کی تہہ میں بھی ان گنت ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے ڈلے چمکتے دمکتے نظر آئے۔ ہم نے ایک ندی سے کچا عنبر نکلتا دیکھا جو سورج کی گرمی سے ندی کے کنارے موم کی طرح بہہ کر ساحل تک پھیل جاتا ہے۔ سمندری جانور نکل کر اُسے کھاتے ہیں۔ جب وہ اُن کے پیٹ میں گرم ہو کر پگھلنے لگتا ہے تو اُسے اگل دیتے ہیں۔ وہ پانی کے اوپر جم جاتا ہے اور لہریں اُسے ساحل پر لا پھینکتی ہیں۔ سیاح اور سوداگر وہاں سے عنبر کو اٹھا لاتے ہیں اور بیچتے ہیں۔

اُس جگہ جہاں عنبر پیدا ہوتا ہے نہ کوئی گیا ہے اور نہ عام حالات میں کوئی جا سکتا ہے۔ وجہ یہ کہ جزیرے کے چاروں طرف اونچا پہاڑ ہے جس پر چڑھنا محال ہے۔ ہم روزانہ اُس جزیرے کی سیر کرتے۔ حیران بھی تھے اور خوف زدہ بھی۔ جزیرے میں ایک جگہ کھانے پینے کے لیے کچھ چیزیں حفاظت سے رکھ دی تھیں۔ اسی ذخیرے میں سے تھوڑا تھوڑا کھاتے پیتے تھے۔ ڈرتے تھے کہ کھانا ختم ہوگیا تو بھوکے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

مر جائیں گے۔ آخر یہی ہوا۔ لوگ مرنے لگے۔ جو سخت جان تھے وہ بچ رہے مگر آخر سمندر کی ہوا نے اُنھیں بیمار کر دیا اور وہ پیٹ میں اٹھنے والے درد کی تاب نہ لا کر چل بسے۔

اب میں جزیرے پر اکیلا رہ گیا۔ اپنی حالت پر آنسو بہانے کے سوا کیا کرتا۔ دل میں کہتا: ''کاش میں اپنے ساتھیوں سے پہلے مر جاتا۔ وہ مجھے نہلا کر دفن کر دیتے۔ میں کیسا کم عقل ہوں کہ پچھلے سفروں کی مصیبتوں کو بھول بھال کر پھر وطن کو چھوڑ نکل کھڑا ہوا۔ کسی بات سے سبق نہ سیکھا۔ مزید کمائی کرنے کی مجھے کیا ضرورت تھی۔ میرے پاس اتنی دولت تھی کہ ساری عمر چین سے رہ سکتا تھا۔'' میں نے اپنے لیے ساحل پر ایک گہرا گڑھا کھودا اور سوچا کہ جب مجھے موت کا یقین ہو جائے گا تو میں گڑھے میں جا لیٹوں گا اور مر جاؤں گا۔ ہوا سے اُڑ کر آنے والی مٹی آہستہ آہستہ گڑھے کو بھر کر مجھے دفنا دے گی۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ ندی جو پہاڑ سے نکل کر دوسرے پہاڑ کی طرف بہتی ہے کہیں نکلتی تو ہوگی۔ کشتی بنا کر اُس میں سفر کروں تو شاید کسی ایسی جگہ جا پہنچوں جو آباد ہو۔ بچ گیا تو بھی ٹھیک ہے۔ ندی میں ڈوب گیا تو بھی ٹھیک ہے۔ یہاں جزیرے پر مرنے کا انتظار کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ سوچ کر میں نے ساحل پر جہازوں کے بکھرے ہوئے تختوں کو جوڑ کر کشتی بنائی۔ پھر جزیرے سے کچا عنبر، ہیرے جواہرات اور مرغی کے انڈوں جتنے بڑے موتی، جتنے کشتی میں آ سکتے تھے، لادے، لکڑیوں کے دو چپو بنائے، بچا کھچا کھانا ساتھ لیا اور کشتی کو ندی میں ٹھیل دیا۔

چلتے چلتے کشتی اُس مقام پر پہنچی جہاں ندی پہاڑ کے اندر جاتی تھی۔ وہاں غار سا تھا۔ جب کشتی غار میں داخل ہوئی تو اندھیرا چھا گیا۔ جتنی کشتی آگے بڑھی ندی تنگ ہوتی گئی۔ کشتی کا دایاں بایاں ندی کے کناروں کو چھونے لگا اور غار کی چھت اتنی نیچی ہو گئی کہ میرے سر سے ٹکرانے لگی۔ مجبور ہو کر میں کشتی میں لیٹ گیا اور دل میں کہنے لگا کہ، ''یہاں سے لوٹنا بالکل ناممکن ہے اور اگر کشتی اب کہیں پھنس کر رک گئی تو

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

مجھے بڑی بُری موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' میں لیٹا رہا۔ کشتی چلتی گئی۔ گھپ اندھیرے کی وجہ سے نہ دن کا پتا چلتا تھا نہ رات کا۔ ندی کبھی چوڑی ہو جاتی کبھی تنگ۔ لیٹے لیٹے مجھے نیند آ گئی۔ کشتی چلتی رہی، میں سوتا رہا۔ نہ جانے کتنا فاصلہ کشتی نے طے کیا۔

آنکھ کھلی تو دیکھا ہر طرف روشنی ہے۔ میں ایک کھلی جگہ پر پہنچ گیا تھا۔ کشتی ندی کے کنارے بندھی ہوئی تھی اور میرے آس پاس بہت سے ہندو اور حبشی کھڑے تھے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ میں جاگ گیا ہوں تو اپنی بولی میں کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہ آیا۔ مجھے یہی خیال تھا کہ سوتے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ مجھے چپ دیکھ کر اُن میں سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر عربی میں پوچھا: ''اے بھائی، السلام علیکم۔ تُو کون ہے اور کہاں سے آیا؟ یہاں آنے کی کیا وجہ ہے؟ اِس ندی کے راستے تو آج تک کوئی اِدھر نہیں آیا۔'' میں نے کہا: ''تم لوگ کون ہو؟'' وہ بولا: ''ہم کسان ہیں۔ اپنے کھیتوں کو پانی لگانے آئے تھے۔ ہم نے تیری کشتی کو بہتے دیکھا تو اُسے روک کر باندھ دیا اور تیرے جاگنے کا انتظار کرتے رہے۔ اب بتا کہ تُو یہاں کیسے آیا؟'' میں نے کہا: ''بھائی، پہلے مجھے کھانا کھلاؤ۔ بھوک کی وجہ سے مرا جا رہا ہوں۔ بعد میں جتنے سوال چاہے کر لینا۔'' وہ شخص دوڑ کر کھانا لے آیا۔ میں نے ڈٹ کر کھانا کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اِس کے بعد جو کچھ مجھ پر بیتا تھا حرف بحرف بیان کر دیا۔

اُنھوں نے کہا: ''یہ تو عجیب قصہ ہے۔ ہم تجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے چلتے ہیں''۔ وہ مجھے اور میرا سارا سامان جو ہیروں، موتیوں، جواہرات اور کچے عنبر پر مشتمل تھا، بادشاہ کے حضور میں لے گئے۔ وہ بھی میری آپ بیتی سن کر حیران ہوا اور مجھے مبارک باد دی کہ اتنا مشکل سفر کر کے صحیح سلامت انسانوں کے درمیان پہنچ گیا۔ میں نے خاصا کچا عنبر، بہت سے ہیرے اور موتی بادشاہ کو تحفے کے طور پر پیش کیے۔ اُس نے میرا نذرانہ قبول کیا، میری بڑی عزت کی اور مجھے اپنے محل کے قریب ایک مکان میں ٹھیرایا۔ میں وہاں کے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا۔ وہ سب میرے ساتھ اچھی

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

طرح پیش آتے۔ میں ہمیشہ شاہی دربار میں حاضر رہتا اور باہر سے آنے جانے والوں کو اپنا حال سناتا اور اِن سے اُن کے ملک کے حالات معلوم کرتا۔

ایک دن بادشاہ نے میرے وطن کے حالات اور بغداد کے خلیفہ کے متعلق مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے خلیفہ کی انصاف پسندی کا ذکر کیا۔ اِس پر وہ کہنے لگا: ''واللہ خلیفہ کے کام عقل کے مطابق ہیں۔ تُو نے میرے دل میں اُس کی محبت ڈال دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے تحفے دے کر اُس کے پاس روانہ کروں۔'' میں نے کہا: ''بادشاہ سلامت، آپ کا حکم کیسے ٹال سکتا ہوں۔ میں آپ کے تحفے خلیفہ تک پہنچا دوں گا اور اُس سے کہوں گا کہ آپ سچے دوست ہیں۔''

ایک مدت تک میں عیش و آرام سے بادشاہ کے پاس رہا۔ ایک دن میرے سننے میں آیا کہ شہر کے چند لوگوں نے ایک جہاز تیار کیا ہے اور بصرے کی طرف جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ اِس سے بہتر موقع مجھے کب ملے گا۔ میں نے دوبارہ جا کر بادشاہ کے ہاتھ چومے اور کہا کہ: ''میں فلاں جہاز پر سوار ہو کر بصرہ جانا چاہتا ہوں۔ بیوی بچوں کو دیکھے ایک زمانہ ہو گیا ہے۔ مجھ سے اور صبر نہیں ہو سکتا۔'' بادشاہ نے کہا: ''جو تیری مرضی۔ اگر ہمارے پاس ٹھیرنا چاہے تو بے شک ٹھیر جا۔ ہم سب کو تجھ سے محبت ہو گئی ہے۔'' میں نے جواب دیا: ''بادشاہ سلامت، آپ کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ اِس لیے میں بھی دل سے آپ کو چاہتا ہوں۔ لیکن وطن اور بیوی بچوں کی یاد ستا رہی ہے۔'' یہ سن کر بادشاہ نے اُن سوداگروں کو بلایا جنھوں نے جہاز بنوایا تھا، مجھے اُن کے سپرد کیا، بہت سے تحائف دیے اور جہاز کا کرایہ اپنی جیب سے ادا کر دیا۔ اِس کے علاوہ ایک شان دار ہدیہ خلیفہ ہارون الرشید کے لیے میرے حوالے کیا۔ میں بادشاہ اور تمام دوستوں سے رخصت ہو کر جہاز میں سوار ہو گیا۔ جہاز روانہ ہوا۔ بادِ مراد چل رہی تھی۔ سفر آرام سے کٹا اور ہم گھومتے پھرتے آخر بصرہ پہنچے۔

بصرہ میں چند روز قیام کرنے کے بعد میں نے بغداد کا رستہ لیا۔ شہر پہنچ کر میں نے اپنا سامان حفاظت سے رکھوایا، گھر والوں اور دوستوں سے ملا۔ میں نے اُنھیں تحفے

دیے، بہت خیرات کی اور بھوکوں کو کھانا کھلایا۔ پھر اطمینان سے خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہی ہدیہ اُسے پیش کیا۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ یہ ہدیہ کس کی طرف سے ہے؟ میں نے کہا: ''اے امیر المومنین، جس شہر سے میں یہ ہدیہ لایا ہوں اُس کا نہ مجھے نام معلوم ہے نہ راستہ۔'' اِس کے بعد میں نے اپنا سارا ماجرا بیان کیا جسے سن کر خلیفہ ششدر رہ گیا۔ اُس نے واقعہ نگاروں کو حکم دیا کہ میری کہانی لکھ کر خزانے میں رکھ دیں تاکہ پڑھنے والے اِس سے عبرت حاصل کریں۔ خلیفہ نے میری بہت عزت کی۔ پہلے کی طرح میں آرام سے اپنے گھر میں رہنے لگا اور اُن مصیبتوں کو بالکل بھول گیا جن کا مجھے سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ میرے چھٹے سفر کی کہانی تھی۔ کل میں اپنے ساتویں اور آخری سفر کا حال سناؤں گا۔

اِس کے بعد دسترخوان بچھایا گیا اور سب لوگوں نے دعوت نوش کی۔ روز کے دستور کے مطابق سندباد حمال کو سو اشرفیاں ملیں اور وہ اُنھیں لے کر ہنسی خوشی رخصت ہوا۔ گھر جا کر آرام سے سویا۔ صبح اٹھ کر، نماز سے فارغ ہوتے ہی، آخری سفر کا احوال سننے سندباد جہازی کی حویلی جا پہنچا۔ جب سب یار دوست جمع ہو گئے تو دسترخوان بچھایا گیا۔ مہمان سیر ہو کر کھا پی چکے تو سندباد جہازی نے اپنے ساتویں سفر کا حال بیان کرنا شروع کیا۔

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ساتواں سفر

چھٹے سفر سے واپس آ کر میں پہلے کی طرح عیش و عشرت کی زندگی گزارنے لگا۔ مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ میرے پاس اتنی دولت جمع ہو چکی تھی کہ اُسے پوری طرح خرچ کرنا تقریباً ناممکن نظر آتا تھا۔ اِس کے باوجود سیر اور سفر کا خیال دل کو کھینچتا رہتا تھا۔ آخر مجھ سے رہا نہ گیا اور سوداگری کا عمدہ عمدہ سامان لے کر بصرہ جا پہنچا۔ وہاں ایک جہاز سفر پر روانہ ہونے کے لیے بادبان کھول رہا تھا۔ بڑے بڑے تاجر جہاز میں موجود تھے۔ میں نے فوراً جہاز پر اپنا سامان لدوایا اور اُن کا ساتھی بن گیا۔ جان پہچان ہونے میں کیا دیر لگتی ہے۔ میری اُن سے اچھی نبھ گئی۔ چلتے چلتے ہم ایک جگہ پہنچے جس کا نام چین تھا۔ ہم سب خوش تھے۔ بیٹھے سفر اور تجارت کی باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں آندھی آئی اور اِس زور کا مینہ برسا کہ ہم سب بھیگ گئے اور ہمارا سامان بھی۔ ہم نے جلدی جلدی سامان کو نمدوں اور بوریوں سے ڈھک دیا تاکہ بارش سے خراب نہ ہو۔ خدا سے دعا مانگنے لگے کہ اِس ناگہانی آفت سے ہمیں چھٹکارا ملے۔

اُدھر کپتان نے اپنی کمر کسی، پائینچے چڑھائے اور مستول پر چڑھ کر دائیں بائیں نظر دوڑائی اور پھر ہماری طرف دیکھ کر سر پیٹنے اور داڑھی نوچنے لگا۔ ہم نے کہا: ''کپتان صاحب، کوئی خیر کی خبر سناؤ۔'' اُس نے جواب دیا: ''اب خیر کی خبر کہاں! خدا سے دعا مانگو کہ ہمیں نجات حاصل ہو۔ آندھی نے، ہم پر غالب آ کر، ہمیں دنیا کے

آخری سمندر میں لا پھینکا ہے۔'' یہ کہہ کر مستول سے اترا، ایک صندوق کھول کر ایک کتاب نکالی، کچھ پڑھا اور کہنے لگا: ''اے جہاز والو، اِس کتاب میں ایک عجیب بات لکھی ہے۔ یہ کہ جو اِس سمندر میں پہنچا وہ بچ کر نہ نکلا بلکہ ہلاک ہو گیا۔ اِس سمندر کے ساتھ جو ملک ہے اُس کا نام اقلیم الملوک ہے۔ یہاں حضرت سلیمان بن داؤد کی قبر ہے۔ جو کشتی یہاں پہنچتی ہے اُسے سمندر سے ایک مچھلی نکل کر نگل جاتی ہے۔'' ہم حیران پریشان ہو کر کپتان کی باتیں سن رہے تھے کہ جہاز اوپر نیچے اچھلنے لگا اور بجلی کی کڑک سنائی دی۔ ڈر کے مارے ہمارا برا حال ہو گیا۔

اتنی دیر میں ایک پہاڑ جیسی مچھلی جہاز کے سامنے آ پہنچی۔ ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم تھوڑی دیر کے مہمان ہیں۔ ہم مچھلی کی ڈراؤنی شکل پر تعجب کر رہے تھے کہ ایک اور مچھلی آ دھمکی۔ وہ ڈیل ڈول اور ڈراؤنے پن میں پہلی مچھلی سے بھی دس ہاتھ آگے تھی۔ ہم میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو زاروقطار نہ رو رہا ہو۔ اتنے میں تیسری مچھلی آ گئی جو باقی دونوں سے زیادہ لمبی چوڑی تھی۔ تینوں مچھلیاں جہاز کے گرد چکر کاٹنے لگیں۔ تیسری مچھلی چاہتی تھی کہ پورے کے پورے جہاز کو ایک ہی دفعہ میں ہڑپ کر جائے۔ اچانک ہوا اِس زور سے چلی کہ جہاز کو تیر کی طرح مچھلیوں سے دور اُڑا لے گئی۔ بدنصیبی نے پھر بھی ہمارا ساتھ نہ چھوڑا۔ ہوا جہاز کو لیے جاتی تھی کہ ایک بلند چٹان نظر آئی۔ ہوا نے جہاز کو بلند چٹان پر لا پٹکا۔ جہاز ٹکر کھا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ باقی لوگوں کا، مجھے پتا نہیں، کیا انجام ہوا۔ جہاز کا ایک تختہ میرے ہاتھ آ گیا۔ میں اُس پر سوار ہو گیا۔ کبھی ہوا کے جھکڑ آتے، کبھی موجوں کی ریل پیل میں پھنس کر تختہ اچھلتا گرتا۔ میں نے بھی جان لڑا دی۔ تختے کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ میں دل میں کہتا تھا: ''سندباد جہازی، تُو سمندر کے سفر سے باز کیوں نہیں آتا؟ تجھے یاد نہیں ہر سفر میں مرنے سے بال بال بچتا رہا ہے۔ تُو اتنا لالچی ہے کہ پچھلی تمام مصیبتوں کو بھول کر دولت اکٹھی کرنے نکل پڑتا ہے۔ کیا تیرے پاس مال دولت کی کوئی کمی تھی؟ یا اللہ، میری توبہ، ہزار بار توبہ، جو اب کبھی سفر کروں یا سفر کا خیال بھی دل میں لاؤں۔''

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

دو دن اور دو راتیں میں تختے سے چمٹا بہا چلا گیا۔ تیسرے دن تختہ ایک جزیرے کے ساحل پر جا لگا۔ وہاں بہت سے درخت تھے۔ ندیاں بہہ رہی تھیں۔ بھوک کے مارے میں جانے کتنے پھل کھا اور کتنا پانی پی گیا۔ جان میں جان آئی تو جزیرے کو دیکھنے بھالنے کو دل چاہا۔ گھومتے گھامتے مجھے ایک بڑی ندی نظر آئی جس میں پانی کا بہاؤ غضب کا تیز تھا۔ مجھے فوراً یاد آیا کہ چھٹے سفر میں ندی میں کشتی پر سفر کرنے سے میری جان بچی تھی۔ سوچا کہ کسی طرح لکڑیاں جمع کر کے کشتی بناؤں۔ شاید اِس مرتبہ بھی کشتی مجھے کسی آبادی تک پہنچا دے۔ آس پاس اونچے اونچے درخت تھے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ صندل کے درخت ہیں۔ میں نے اُن درختوں کی لکڑیاں اکٹھی کر لیں، پھر نرم شاخیں اور گھاس لے کر انھیں رسّی کی طرح بٹا۔ اُن رسیوں سے لکڑیوں کو مضبوط باندھا۔ یوں ایک تختہ نما کشتی تیار ہوگئی۔ میں نے دل میں کہا: ''اگر میں بچ گیا تو یہ صرف خدا کا کرم ہوگا۔''

میں نے کشتی ندی میں ڈالی اور خدا پر بھروسا کر کے چل پڑا۔ تین دن گزر گئے۔ پیاس لگتی تو ندی کا پانی پی لیتا۔ لیکن کھانے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ میں بالکل کمزور ہوگیا اور میرا سر چکرانے لگا۔ چڑیا کے بچے جتنی جان بھی مجھ میں نہ رہی۔ کشتی آخر ایک پہاڑ کے پاس پہنچی جس کے درمیان سے ہو کر ندی گزرتی تھی۔ مجھے پچھلی ندی کی تنگی یاد آئی۔ خوف مجھ پر غالب آگیا میں نے چاہا کہ کشتی کو جوں توں کر کے کنارے تک لے جاؤں اور اتر پڑوں۔ ندی کا بہاؤ بہت تیز تھا اور میری ایک نہ چلی۔ پہاڑ سے گزر کر ندی ایک وادی میں پہنچی جہاں وہ آبشار کی صورت میں نیچے گرتی تھی۔ بلندی سے پانی کے گرنے کا شور سن کر دل دہلا جاتا تھا۔ مگر تیز بہتے پانی کے آگے میرا کیا زور چلتا۔ کشتی اِدھر اُدھر ڈولتی آبشار کے راستے نیچے جا گری۔ خدا کو مجھے بچانا مقصود تھا۔ نہ تو کشتی ٹوٹی نہ میں پانی میں گرا۔ جب ہوش ٹھکانے آئے تو دیکھا کہ سامنے ایک عظیم الشان شہر ہے جس میں طرح طرح کی خوش نما عمارتیں ہیں۔ شہر والوں نے جو مجھے اِس طرح بہتے دیکھا تو جال اور رسّے پھینک کر

کشتی کو جکڑ لیا اور کھینچ کر کنارے پر لے آئے۔ میں وہاں آکر گر پڑا کہ بھوک پیاس، مسلسل جاگنے، تھکاوٹ اور ڈر سے مجھ میں ذرا دم نہ تھا۔

جو بھیڑ میرے اردگرد جمع تھی اُس میں سے ایک بوڑھا میری طرف بڑھا جو نہایت بارعب شخص تھا۔ قد لمبا، جسم صحت مند، سر کے بال اور داڑھی سفید۔ وہ مجھے حمام لے گیا۔ میں نے پھٹے پرانے میلے کچیلے کپڑے اتار پھینکے اور نہا کر نیا لباس پہنا جو بڑے میاں نے فراہم کیا تھا۔ حمام سے وہ اپنے گھر لے گیا۔ گھر والے مجھے دیکھ کر خوش ہوئے۔ مجھے ایک سجے ہوئے کمرے میں بٹھایا گیا۔ میرے سامنے نہایت عمدہ کھانے چُن دیے گئے۔ میں نے پیٹ بھر کر کھایا اور مزے مزے کے شربت پیے۔ بڑے میاں نے اپنے مکان کے پہلو میں ایک گھر میرے رہنے کے لیے خالی کرا دیا۔ کئی ملازم میری خدمت کے لیے مقرر کیے۔ تین دن تک میں صبح شام بہترین کھانوں سے لطف اندوز ہوتا رہا اور جو کمزوری مجھے سفر کے دوران میں لاحق ہوئی تھی بالکل دور ہوگئی۔

چوتھے دن بڑے میاں آئے تو کہنے لگے: ''بڑی خوشی کی بات ہے تُو پوری طرح تندرست ہوگیا۔ تجھ سے مل کر ہم سب بہت خوش ہیں۔ میرے ساتھ چل اور جو مال تیرے پاس ہے اُسے بیچ ڈال۔ جو آمدنی ہو اُس سے نیا مال خرید۔ سوداگری اسی لین دین کا نام ہے۔'' بڑے میاں کی باتیں سن کر میں ہکا بکا رہ گیا اور دل میں کہنے لگا: ''میرے پاس کون سا مال ہے جسے بیچوں گا۔ بڑے میاں کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔'' میں منہ سے کچھ نہ بولا کہ بڑے میاں نے میرے ساتھ بھلائی کی تھی۔ اُن کے کہے کو جھٹلانے کی ہمّت مجھ میں نہ تھی۔ بڑے میاں بولے: ''میرے ساتھ بازار چل۔ اگر تیرے مال کی صحیح قیمت ملے تو بیچ ڈال۔ اگر نہ ملے تو میرے گودام میں رکھوا دے۔ شاید کسی اور دن اچھی قیمت مل جائے۔'' میں نے دل میں سوچا کہ، ''بڑے میاں کا کہنا ماننا ہی پڑے گا۔ چل کر دیکھوں تو سہی یہ کس مال کا ذکر کر رہے ہیں۔''

بازار میں پہنچا تو دیکھا کہ میری کشتی وہاں کھلی پڑی ہے اور لکڑیوں کی بولی لگ

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

رہی ہے۔ مجھے پہلی دفعہ پتا چلا کہ میں انجانے میں ڈھیر ساری قیمتی صندل کی لکڑی لے آیا ہوں۔ تاجر بولی لگاتے رہے۔ ہزار دینار پر بولی ختم ہوگئی۔ بڑے میاں نے کہا: ''آج تو مال کے یہی دام ملیں گے۔ بیچنا ہے تو بیچ ڈال ورنہ کسی بہتر دن کا انتظار کر۔'' میں نے کہا: ''بابا جی، آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ جو کہیں گے میں وہی کروں گا۔'' بڑے میاں بولے: ''کیا تُو چاہتا ہے کہ یہ صندل مجھے بیچ دے؟ دوسرے ہزار دینار دے رہے ہیں میں سو دینار زیادہ دوں گا۔'' میں نے کہا: ''منظور! میں نے صندل آپ کے ہاتھ بیچا۔'' بڑے میاں نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ صندل اٹھا کر لے جائیں اور گیارہ سو دینار گن کر میرے حوالے کیے۔

تھوڑے دن بعد بڑے میاں نے مجھ سے کہا: ''بیٹا، میں تیرے سامنے ایک تجویز رکھتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تُو اُسے مان لے۔'' میں نے پوچھا: ''وہ کیا تجویز ہے؟'' بڑے میاں نے جواب دیا: ''میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرا کوئی بیٹا نہیں۔ صرف ایک بیٹی ہے جو بہت خوبصورت اور بے انتہا مال دار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُس کی شادی تیرے ساتھ کردوں اور تُو ہمارے ملک میں رہ جائے۔'' میں یہ سن کر چپ ہو گیا اور کچھ نہ بولا۔ بڑے میاں بولے: ''میرا کہا مان لے۔ میں تیرا بھلا چاہتا ہوں۔ میری دولت کا مالک تُو بنے گا۔ اگر تُو تجارت کرنا چاہے یا وطن واپس جانے کی خواہش ظاہر کرے تو تجھے کوئی روکے گا نہیں۔'' میں نے کہا: ''بابا جی، آپ میرے باپ کی جگہ ہیں۔ میں اتنی تکلیفیں اٹھا چکا ہوں کہ عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ آپ جو چاہیں کریں۔'' یہ سن کر بڑے میاں نے قاضی اور گواہوں کو طلب کیا اور بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کر دیا۔ جب میں نے بیٹی کو دیکھا تو وہ بہت خوبصورت تھی۔ اِس کے علاوہ وہ اپنے ساتھ جتنے ہیرے جواہرات، موتی، زیورات اور قیمتی لباس لائی تھی اتنے لاکھوں اشرفیاں خرچ کر کے بھی خریدے نہ جا سکتے تھے۔ مجھے اُس سے محبت ہو گئی اور ہم دونوں بڑے آرام سے رہنے لگے۔ کچھ عرصے بعد بڑے میاں کا انتقال ہو گیا۔ اُس کی تمام دولت اور جائیداد میری ملکیت میں آ گئی۔ اُس کے غلام اور

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

نوکر چاکر میری خدمت بجا لانے لگے۔ بڑے میاں شہر میں سوداگروں کے چودھری تھے۔ اُن کے مرنے کے بعد مجھے چودھری بنا دیا گیا۔ میری اجازت کے بغیر سوداگر کسی قسم کا لین دین نہیں کر سکتے تھے۔ بازاروں میں میرا حکم چلتا تھا۔

شہر والوں سے میری رسم و راہ بڑھی تو ایک عجیب بات سامنے آئی۔ میں نے دیکھا کہ ہر چاند رات کو اُن کی حالت بدل جاتی ہے۔ اُن کے پر نکل آتے ہیں اور وہ اُڑ کر آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ بچوں اور عورتوں کے سوا شہر میں کوئی نہیں رہتا۔ میں نے دل میں کہا کہ: ''اِس دفعہ میں کسی سے درخواست کروں گا کہ مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔'' جب نیا چاند نکلا تو اُن کی صورتیں بدل گئیں۔ میں نے ایک شخص سے کہا: ''خدا کے لیے مجھے بھی ساتھ لے کر اُڑ۔ میں بھی اوپر کی دنیا کی سیر کروں۔'' اُس نے کہا کہ یہ ممکن نہیں لیکن میں ضد کرتا رہا۔ آخر وہ راضی ہوگیا اور مجھے کندھوں پر بٹھا کر اُڑنے لگا۔ اِس بات کی خبر نہ میری بیوی کو تھی نہ غلاموں کو اور نہ دوستوں کو۔ وہ شخص مجھے ساتھ لیے اُڑا چلا جاتا تھا یہاں تک کہ ہم آسمان کے قریب پہنچ گئے اور مجھے فرشتوں کی آوازیں سنائی دیں جو اللہ کی حمد و ثنا کر رہے تھے۔ حیرانی کے عالم میں بے اختیار میرے منہ سے نکلا کہ، ''پاک ہے اللہ اور سب تعریفیں اُس کے لیے ہیں۔'' میں نے یہ کہا ہی تھا کہ آسمان سے شعلے ہماری طرف لپکے۔ جل کر راکھ ہو جانے سے بچنے کے لیے تمام اُڑنے والے تیزی سے نیچے اترے۔ وہ مرتے مرتے بچے تھے۔ اِس لیے مجھ سے ناراض تھے اور مجھے ایک پہاڑ پر اتار کر چلے گئے۔ میں اکیلا پہاڑ پر رہ گیا۔ میں نے خود کو خوب برا بھلا کہا کہ نہ سیر کی ہوس کرتا نہ اُس پہاڑ پر پہنچتا۔

سمجھ میں نہ آتا تھا کہ پہاڑ سے اتر کر کہاں جاؤں۔ اتنے میں دو لڑکے میرے قریب آئے جو چاند کی طرح خوب صورت تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں سونے کی چھڑیاں تھیں جن کے سہارے وہ چل پھر رہے تھے۔ میں نے اُنھیں سلام کیا۔ اُنھوں نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے متعجب ہو کر پوچھا: ''تم کون ہو؟ یہاں کیسے آئے اور

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کیا کرتے پھر رہے ہو؟'' اُنھوں نے کہا کہ ہم خدا کے بندے ہیں۔ پھر سونے کی ایک چھڑی میرے ہاتھ میں تھما دی اور چلتے بنے۔ میں اُن لڑکوں کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ پہاڑ کے نیچے سے ایک اژدہا نکلا۔ اُس کے منہ میں ایک آدمی تھا جسے وہ آدھا نگل چکا تھا۔ وہ آدمی چلّا چلّا کر کہہ رہا تھا: ''جو مجھے چھڑائے گا خدا اُسے ہر مصیبت سے نجات دے گا۔'' یہ سن کر میں اُس کی طرف لپکا۔ میں نے سونے کی چھڑی اژدہے کے سر پر ماری اور وہ آدمی کو اگل کر بھاگ گیا۔ وہ شخص مجھ سے کہنے لگا کہ: ''تیری وجہ سے میری جان بچی۔ میں تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔''

ہم پہاڑ پر اِدھر اُدھر اتر چڑھ رہے تھے کہ بہت سے لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ غور سے نظر ڈالی تو اُن میں وہ آدمی بھی تھا جو مجھے لے کر اُڑا تھا۔ میں اُس کے پاس گیا اور نرمی سے کہا: ''اے دوست، جو سلوک تُو نے میرے ساتھ کیا وہ دوستی میں جائز نہیں۔'' وہ بولا: ''تم نے اللہ کی تعریف کر کے ہمیں مار ہی ڈالا تھا۔'' میں نے کہا: ''مجھے علم نہ تھا کہ میری حرکت سے تم لوگ خطرے میں پڑ جاؤ گے۔ آئندہ ایسا ہرگز نہ کروں گا۔'' یہ سن کر وہ مجھے ساتھ لے جانے پر آمادہ ہو گیا مگر شرط یہ رکھی کہ اُس کے کندھوں پر سوار رہتے ہوئے میں اللہ کی حمد و ثنا نہ کروں گا۔ میں نے اُس کی بات مان لی۔ وہ مجھے لے اُڑا اور گھر چھوڑ آیا۔

میری بیوی نے مجھے دیکھ کر میری سلامتی پر مبارک باد دی اور کہنے لگی: ''اب اُن لوگوں کے ساتھ کبھی کہیں نہ جانا نہ اُن کے پاس اٹھنا بیٹھنا۔ یہ شیطان کی اولاد ہیں اور خدا کی یاد سے بے خبر۔'' میں نے پوچھا کہ: ''تیرا باپ اُن کے ساتھ کیسے نباہ کرتا تھا؟'' وہ بولی: ''میرا باپ اُن کے گروہ کا نہ تھا نہ اُن جیسی حرکتیں کرتا تھا۔ میرا باپ فوت ہو چکا۔ میری رائے ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اُسے بیچ کر تجارتی مال خرید اور مجھے ساتھ لے کر وطن روانہ ہو جا۔ میرے ماں باپ مر چکے۔ میں اب یہاں کس لیے رہوں۔''

چنانچہ میں نے بڑے میاں کی چیزیں ایک ایک کر کے بیچنی شروع کر دیں اور

اِس انتظار میں رہا کہ کوئی شخص اِس شہر سے روانہ ہو تو میں بھی اُس کے ساتھ ہو لوں۔ کچھ مدت کے بعد شہر کی ایک جماعت نے سفر کا ارادہ کیا۔ اُنھوں نے لکڑی خرید کر ایک جہاز بنوایا۔ میں نے کرایہ دے کر بیوی کو اُس میں بٹھایا۔ جو مال و دولت ساتھ لے جا سکتا تھا وہ اٹھا لیا۔ باقی وہیں چھوڑا۔ جہاز روانہ ہوا۔ راستے بھر ہوا موافق رہی۔ ہم صحیح سلامت بصرہ پہنچ گئے اور وہاں رکے بغیر ایک کشتی کرائے پر لے کر بغداد جا اترے۔ میں گھر والوں اور یار دوستوں سے ملا۔ اپنا مال اسباب گوداموں میں سنگوایا۔ گھر والوں کو میرے واپس آنے کی امید نہ رہی تھی۔ میرے آخری سفر کا احوال سن کر اُنھیں بڑا اچنبھا ہوا۔ میں نے خدا کے حضور توبہ کی کہ اب میں نہ سمندر کا سفر کروں گا نہ خشکی کا۔ مال و دولت کی زیادہ ہوس اچھی نہیں ہوتی۔ دوستو، یہ تھا میرے ساتویں سفر کا حال۔ خدا تم سب کو خوش و خرم رکھے۔

اِس کے بعد دسترخوان بچھا اور دعوت کا اہتمام ہوا۔ بعد میں سندباد جہازی نے سندباد حمال کو سو اشرفیاں دیں اور کہنے لگا: ''سنانے کے لیے میرے پاس اور کچھ نہیں۔ لیکن جب تمھارا دل چاہے یہاں آ جایا کرو۔ میری نظر میں تم میرے دوست ہو۔ میرے گھر کو اپنا گھر سمجھو۔'' سندباد حمال نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور خوش خوش اپنے گھر کی راہ لی۔

اُردو کُتب خانہ پی کے
urdukutabkhanapk.blogspot

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com